پندرہ روزہ
تعمیرِ حیات
لکھنؤ

ہلالِ عید

غرۂ شوال! اے نورِ نگاہِ روزہ دار — آ! کہ تھے تیرے لیے مسلم سراپا انتظار
تیری پیشانی پہ تحریرِ پیامِ عید ہے — شام تیری کیا ہے، صبحِ عیش کی تمہید ہے
سرگذشتِ ملتِ بیضا کا تو آئینہ ہے — اے مہِ نو! ہم کو تجھ سے الفتِ دیرینہ ہے
جس علم کے سائے میں تیغ آزما ہوتے تھے ہم — دشمنوں کے خون سے رنگیں قبا ہوتے تھے ہم
تیری قسمت میں ہم آغوشی اسی رایت کی ہے — حسنِ روز افزوں سے تیرے آبروِ ملت کی ہے
آشنا پرور ہے قوم اپنی، وفا آئیں ترا — ہے محبت خیز یہ پیراہنِ سیمیں ترا

اوجِ گردوں سے ذرا دنیا کی بستی دیکھ لے
اپنی رفعت سے ہمارے گھر کی پستی دیکھ لے

قافلے دیکھ، اور ان کی برق رفتاری بھی دیکھ — رہروِ درماندہ کی منزل سے بیزاری بھی دیکھ
دیکھ کر تجھ کو افق پر ہم لٹاتے تھے گہر — اے تہی ساغر! ہماری آج ناداری بھی دیکھ
فرقہ آرائی کی آرائی میں ہیں مسلم اسیر — اپنی آزادی بھی دیکھ، ان کی گرفتاری بھی دیکھ
دیکھ مسجد میں شکستِ رشتۂ تسبیحِ شیخ! — بتکدے میں برہمن کی پختہ زناری بھی دیکھ
کافروں کی مسلم آئینی کا بھی نظارہ کر — اور اپنے مسلموں کی مسلم آزاری بھی دیکھ
جس کو ہم نے آشنا لطفِ تکلم سے کیا — اس حریفِ بے زباں کی گرم گفتاری بھی دیکھ
سازِ عشرت کی صدا مغرب کے ایوانوں میں سن — اور ایراں میں ذرا ماتم کی تیاری بھی دیکھ
چاک کر دی ترکِ ناداں نے خلافت کی قبا — سادگی مسلم کی دیکھ، اوروں کی عیاری بھی دیکھ

صورتِ آئینہ سب کچھ دیکھ، اور خاموش رہ
شورشِ امروز میں محوِ سرودِ دوش رہ

(اقبالؒ)

Regd No. LW/NP 56
Phone:- 22948 29747
TAMEER-E-HAYAT
Fortnightly
(NADWATUL-ULAMA LUCKNOW-226007 (INDIA)

ایک اہم اپیل — برائے — دار العلوم ندوۃ العلماء (لکھنؤ)

دار العلوم ندوۃ العلماء عالمِ اسلام کا مشہور دینی و علمی مرکز ہے جو پچھتر سال سے علمِ دین کی خدمت انجام دے رہا ہے، اور الحمد للہ کہ اسکے فضلاء ہندوستان اور بیرونِ ملک میں علمی و دینی خدمات انجام دے رہے ہیں یہ حقیقت نہایت قابلِ توجہ ہے کہ مسلمانوں کی ہر طرح کی فلاح و بہبود اس کے اس دین سے وابستہ ہے جس کو لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے۔

مسلمان جسقدر اس حقیقت کی طرف توجہ کریں گے اور جس قدر دینی کاموں میں دلچسپی اور بلند ہمتی سے حصہ لیں گے اسی قدر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انکی حفاظت و کامیابی کا فیصلہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا)۔

ہندوستان کے موجودہ حالات میں ایسے دینی و علمی اداروں کا استحکام نہایت ضروری ہے، جو اسلام کی اشاعت و حفاظت اور مسلمانوں میں علمِ دین کی اشاعت کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔ الحمد للہ کارکنانِ دار العلوم ندوۃ العلماء بھی اسی جد و جہد میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ اخلاص اور قبولیت سے نوازیں۔

اس وقت دار العلوم میں ہندوستان کے دور دراز علاقوں کے علاوہ جنوبی افریقہ، شمالی افریقہ، ملیشیا، نیپال وغیرہ کے طلباء بھی زیرِ تعلیم ہیں۔ طلباء کی مجموعی تعداد مع ابتدائی درجات و مکاتب شہر (۱۳۰۰) ہے اس سال غیر مستطیع طلبہ کو تقریباً ڈھائی لاکھ روپیہ کے وظائف دیے گئے، حضرات مدرسین و اسٹاف کی مجموعی تعداد ۸۴ ہے۔

اس وقت ندوۃ العلماء کے سالانہ مصارف مع تعمیرات تقریباً دس لاکھ روپئے ہیں ادھر کئی سال سے جگہ کی قلت کی وجہ سے طلباء کیلئے مناسب اقامتگاہوں کی فوری ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر ایک جدید دار الاقامہ اور اس سے متعلق ضروری عمارتوں کی تعمیر کا کام شروع کر دیا گیا۔ دار الاقامہ کے ایک کمرے پر دس ہزار روپے صرف کا تخمینہ ہے۔ اجتماعی بڑے کام بغیر تعاون کے انجام نہیں پاتے۔ ہمارے مسلمان بھائیوں کو اس اہم کام میں فیاضی اور حوصلے سے توجہ کی ضرورت ہے۔ خصوصاً رمضان المبارک صحیح روایات کے مطابق ہر عمل کا ثواب ستر گنا ملتا ہے۔ علمِ دین اور طالبانِ علمِ دین پر جو مسلمانوں کی پاک کمائی خرچ ہوگی انشاء اللہ وہ آخرت میں اجرِ عظیم اور دنیا میں خیر و برکت کی باعث ہوگی۔ ہم تمام مسلمانوں اور خصوصاً اہلِ استطاعت سے گذارش کرتے ہیں کہ حسبِ حیثیت فراخدلی سے دار العلوم کی مدد فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

رمضان المبارک اور اس کے علاوہ مختلف اوقات میں بعض حضرات اساتذہ اور سفراء دار العلوم کے سلسلہ میں مختلف علاقوں میں تشریف لے جاتے ہیں۔ مقامی طور پر اگر دردمند اہلِ خیر حضرات دلچسپی سے تعاون فرمائیں تو انشاء اللہ دار العلوم کی اعانت کا بڑا کام ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے دین کی حمایت و نصرت کی دولت سے نوازے۔ آمین

(مولانا) ابو الحسن علی ندوی
(ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

(مولانا) عبد السلام قدوائی ندوی
(معتمد تعلیمات دار العلوم ندوۃ العلماء)

(مولانا) محمد معین اللہ ندوی
(نائب ناظم ندوۃ العلماء)

سید مصباح الدین نقوی
(معتمد مالیات ندوۃ العلماء)

تعمیرِ حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۱۴ | ۱۰ و ۲۵ ستمبر ۱۹۷۷ء ——— ۲۵ رمضان المبارک و ۱۰ شوال ۱۳۹۷ھ | شمارہ ۲۲-۲۳

زرِ اشتراک اندرونِ ہند مع محصول ڈاک:
سالانہ: ۱۲ روپے ششماہی ساڑھے چھ روپے
فی پرچہ: ۶۰ پیسے
بیرونِ ہند مع محصول ڈاک:
بحری ڈاک سے: ایک پاؤنڈ شلنگ
ہوائی ڈاک سے: امریکہ و کناڈا اور یورپین ممالک: ۳ پونڈ
افریقہ، مشرقِ وسطیٰ اور مشرقِ بعید کے ممالک: ۲½ پونڈ
پاکستان: ۳۰ روپے
بنگلہ دیش: ۱۵ روپے

اسحٰق جلیس ندوی

پاکستان ——— ایک اور موقع

بیسویں صدی میں خدا کے نام پر وجود میں آئے ہوئے ملک پاکستان کی ۳۰ سالہ تاریخ نیک تمناؤں اور آرزوؤں کی پامالی، بلند عزائم اور ارادوں کی شکست و ریخت، خدا کی نعمت کی ناشکری اور ناقدری اور شخصی و جماعتی اغراض و مفاد کے لئے کشمکش کی تاریخ ہے۔ پاکستان کے ان حالات کے ذمہ دار عوام بھی ہیں اور حکمراں طبقہ بھی۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد استعمار کی غلامی سے آزاد ہونے والے ممالک میں سب سے زیادہ جان و مال کی قربانی جس مملکت کی آزادی کی بھینٹ ہوئی وہ پاکستان ہے۔ جب بھی اس مملکت کے وجود میں آنے کا زمانہ یاد آتا ہے تو ہزاروں زخم ہرے ہو جاتے ہیں۔ انسانی تاریخ میں لاکھوں انسانوں کا بے وطن ہونا جوئے خون سے گزرنا اور ہزاروں عفت مآب عصمتوں کا پامال ہونا شاید کبھی ریکارڈ نہ کیا گیا ہو۔

ان تمام قربانیوں کے پیچھے سادہ دل مسلم عوام کا اپنی بے عملی اور بدعملی کے باوجود اسلام سے محبت کا جذبہ کارفرما تھا۔ ان کے قائد غیر مخلص و عیار تھے لیکن عوام ایک ایسی مثالی اور فلاحی اسلامی مملکت کو دیکھنا چاہتے تھے جو دنیائے انسانیت کے لئے نمونۂ عمل اور تاریکی میں بھٹکتے ہوئے انسانی قافلے کے لئے صحیح منزل کی نشاندہی کرنے والا روشنی کا مینار ہو۔ جہاں دنیا بھر کے سیاح آکر عدل و انصاف، شرافت و غمخواری کے زندہ نمونے دیکھیں اور اپنے خود ساختہ نظامِ زندگی سے تائب ہو کر خدائی نظامِ حیات کو اپنائیں۔ یہ سنہرا خواب ہنوز شرمندۂ تکمیل ہے۔

اس مملکتِ خداداد کو اسلام کے عادلانہ نظام سے محروم رکھنے میں وہ حکمراں طبقہ جو برسرِ اقتدار رہا اور وہ بے شعور عوام جو تبدیلیٔ قیادت کے مواقع کو ضائع کرتے رہے دونوں مجرم ہیں۔ ۱۹۷۱ء میں جو عام انتخابات اس ملک میں ہوئے اس میں مشرقی اور مغربی دونوں بازوؤں میں عوام نے ان لوگوں کے ہاتھ میں زمامِ قیادت دی جن کی بے دینی، تخریب پسندی، عیاری اور چالاکی کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی۔ ۱۹۷۱ء کے انتخابات کے نتائج نے اس مملکت کو اس خود غرض قیادت کے ہاتھوں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ——— مارچ ۱۹۷۷ء میں دوسرے عام انتخابات کا نتیجہ تو حیرت انگیز تھا کہ جس میں پاکستانی عوام نے قاتلوں کو پھر مسیحا کا مقام عطا کر دیا تھا۔ اس الیکشن میں دھاندلی ہوئی، اس کا کم و بیش ہر شخص کو اعتراف ہے تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ پاکستانی عوام نااہل قیادت کو سو فیصد مسترد کرنے کے لئے ابھی آمادہ نہیں۔ مارچ کے الیکشن کی دھاندلیوں کے خلاف تحریک میں جس جوش و خروش سے وہاں کے عوام نے حصہ لیا اور قربانیاں دیں اس کا نقد صلہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تازہ انقلاب کی شکل میں دیا کہ وہاں کے فوجی سربراہ جنرل محمد ضیاء الحق نے ان حکمرانوں کی بساط لپیٹ دی جن سے پیچھا چھڑانا اتنا آسان نہ تھا، پھر فوجی سربراہ نے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے صاف اعلان کیا کہ ان کے کوئی سیاسی عزائم نہیں بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ اکتوبر میں غیر جانبدارانہ الیکشن کرا کر عوام کے منتخب نمائندوں کے ہاتھ میں مملکت کی باگ ڈور دیدیں۔ فوجی سربراہ نے اپنے مختلف بیانات میں صراحت کے ساتھ یہ بھی کہا کہ اسلام سے وابستگی اور اسلامی معاشرہ کا قیام ہی اس مملکت کی بقا اور ترقی کا ضامن ہو سکتا ہے۔ ایک غیر جانبدار، صاف ذہن اور دین دوست جمہوری حکومت کے ذریعہ پاکستانیوں کو پھر ایک بار موقع مل رہا ہے کہ وہ ماضی کی غلطیوں کی تلافی کریں اور ان نمائندوں کا انتخاب کریں جن کی زندگی میں تضاد نہ ہو اور جو عملی مومن ہوں۔

یہ ایک خوش آئند اور حوصلہ افزا بات ہے کہ اسلام کے نام پر ایسی نو جماعتوں میں باہمی اتحاد ہوا ہے جو مختلف مکاتبِ فکر و مسلک کی علمبردار ہیں۔ ان جماعتوں نے اپنے اختلافات کو بھلا کر ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر ملک کے عوام کے آرزو کی تکمیل اور خود اپنے وجود و بقا کا گویا سامان کیا ہے۔ ہندوستان میں مختلف نظریات کی حامل جماعتیں جو کلا واحد اور کبھی واحد کا تصور نہیں رکھتیں اگر متحد ہو کر آمریت کو شکست دے سکتی ہیں تو پاکستان کے لئے یہ کیوں ممکن نہیں۔

خطرات اب بھی بہت ہیں، نشستوں کی تقسیم پر پاکستان متحدہ محاذ میں شامل جماعتوں میں اختلافات اور اسلام کے نام پر حاصل کئے ہوئے ملک کو سوشلزم کی راہ پر ڈالنے والے بھٹو صاحب کے استقبال کی خبریں آرہی ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ پاکستان کے عوام و خواص اس بیدار مغزی اور صحیح احساس و شعور کا ثبوت دیں جس کی ان نازک حالات میں شدید ضرورت ہے۔

پاکستانیوں کو شاید احساس نہیں کہ ہم ہندوستانی مسلمان پاکستان کے ڈرے ہوئے اور اس کے قیام کے جرم میں بلیدان ہو چکے ہیں۔ ہمارے صاحبِ بصیرت بزرگوں نے اس مملکت کے قیام میں جن خطرات کی نشاندہی کی تھی وہ ایک ایک کر کے سامنے آچکے ہیں، انہوں نے پورے خلوص سے اس تحریک کو برصغیر کے عوام کے لئے مضر قرار دیا تھا، وہ ان قائدین کے قول و عمل سے مطمئن نہ تھے جو اس تحریک میں پیش پیش تھے، لیکن اس کے باوجود جب یہ ملک وجود میں آیا تو انہوں نے اسکے بقا اور اس کے مقاصد میں کامیابی کی دعا اور تمنا کی۔ پاکستان بنانے والی لیڈرشپ آج ختم ہو چکی ہے اب اس مملکت میں بھی وہ لوگ اسلام کے احیاء اور اس کے نفاذ کے لئے میدان میں آئے ہیں جو ہمارے بزرگوں کے ارادت مند اور خادم کہلاتے ہیں۔ کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ انہی کے ہاتھوں پاکستان کو حقیقی اسلامی فلاحی مملکت بنائے جس کا صرف خواب دکھا کر اور اسلام کا نام استعمال کر کے مسلم لیگی لیڈرشپ نے اپنا اُلو سیدھا کیا تھا۔ بقا خلوص کو ہے اللہ تعالیٰ انہی سے کام لیتے ہیں جن میں خلوص ہوتا ہے، مخلص قیادت کے انتخاب کا موقع پاکستانیوں کو حاصل ہے خدا کرے کہ وہ اس سے فائدہ اٹھائیں۔

ترکی ——— توازن اسلامیوں کے ہاتھ میں

مصطفےٰ کمال پاشا اور ان کے جانشینوں نے ترکی کو لادینیت کی راہ پر ڈالنے کی بھرپور کوشش اور سازش کی لیکن دین سے تعلق و محبت ترکی قوم کے خمیر اور مزاج میں ایسی پیوست ہے کہ انہوں نے ملتِ ترکیہ کے خلاف کی گئی اس زبردست سازش کو ناکام بنا دیا۔

مصطفےٰ کمال کے جانشین عصمت انونو اور ان کی ریپبلکن پارٹی کو ترک قوم نے انتخابات میں مسترد کر کے عدنان مینڈریس کو کامیاب کیا، جن کی پارٹی نے دین کے سلسلے میں چند معمولی مراعات کا وعدہ کیا تھا۔ حالات دن بدن اسلام کے حق میں سازگار ہوتے گئے حتی کہ ایک اسلامی الفکر سیاسی جماعت ملی سلامتی پارٹی وجود میں آئی جس کے لیڈر نجم الدین اربکان ترکی کے اسلامی حلقے اور جدید نسل کے صالح عناصر میں بہت محبوب و مقبول سیاسی رہنما ہیں۔

ملی سلامتی پارٹی نے پہلی بار اکتوبر ۱۹۷۳ء کے انتخابات میں حصہ لیا، ترکی کی پارلیمانی سیاست میں یہ ایک نیا تجربہ تھا۔ مصطفےٰ کمال کے جانشین اور ریپبلکن پارٹی کے سربراہ عصمت انونو نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ۱۹۷۳ء کے انتخابات ایک نیا تجربہ تھے جس میں جدید ترکی کی تاریخ میں پہلی بار ایک سیاسی پارٹی اسلامی نظریات کو لے کر انتخابات میں حصہ لے رہی تھی یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ نصف صدی کی لادینیت کے بعد اسلام کے اثرات ہنوز کتنے باقی ہیں، ۱۹۷۳ء کے انتخابات میں ملی سلامتی پارٹی نے ۴۸ نشستیں حاصل کیں، یہ نشستیں ڈیموکریٹک پارٹی اور ریپبلکن پارٹی کے درمیان توازن قوت Balancing Power بن گئیں۔

ڈیموکریٹک یا ریپبلکن ان دو بڑی جماعتوں میں سے کسی کی بھی حکومت ملی سلامتی پارٹی کے تعاون کے بغیر نہیں بن سکتی تھی ——— سب سے پہلے مصطفےٰ کمال کی قائم کردہ ریپبلکن پارٹی

(بقیہ صفحہ ...)

تعلیم القرآن

از:
مولانا محمد اویس ندوی مرحوم

شکر:

واشکروا اللّٰہ (بقرہ ۲۱) اور خدا کا شکر کرو۔

ہمارا پیدا ہونا، زندہ رہنا، کھانا پینا، سونا، جاگنا، پڑھنا، کمانا، سب اللہ کے رحم و کرم سے ہے، ایسے مہربان خدا کا شکر ادا کرنا بہت ضروری ہے، حضرت سلیمان نبیؑ خدا سے دعا کرتے تھے کہ اے پروردگار مجھے نصیب کر کہ میں تیرا شکر ادا کروں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ صحابیؓ سے کہا کہ ہر نماز کے بعد اللہ سے دعا کرو کہ وہ شکر ادا کرنے میں مدد کرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تھے کہ جس کو شکر ادا کرنے والا دل دیا گیا اس کو دنیا اور آخرت کی بہترین نعمت دی گئی۔

شکر کا مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ کے حکموں پر پورا دھیان دیں اور اس کی نعمتوں کی پوری قدر کریں۔

زبان کا شکر یہ ہے کہ اس سے ایسی کوئی بات نہ نکلے جو خدا کی مرضی کے خلاف ہو،
پیر کا شکر یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے اچھی جگہوں کے سوا ہم خراب جگہوں پر نہ جائیں،
آنکھ کا شکر یہ ہے کہ اس سے وہی دیکھیں جس کا دیکھنا ہمارے لئے جائز اور مفید ہو،
دماغ کا شکر یہ ہے کہ اس سے ہم وہی سوچیں جو اچھا ہو اور آخرت کا بھلا ہو،
دل کا شکر یہ ہے کہ اس میں ہم اپنے خدا کی محبت اور اس کی یاد کو جگہ دیں،
طاقت، مال اور تندرستی کا شکر یہ ہے کہ اس کو اللہ کی خوشی حاصل کرنے میں خرچ کریں۔

غرض انسان کے جسم کے حصہ پر اور اللہ کی ہر نعمت پر شکر ضروری ہے اور ہر چیز کا شکر یہی ہے کہ جس کام کے لئے خدا نے اس کو بنایا ہے اسی میں اس کو صرف کریں،

خدا پر بھروسہ:

وتوکل علی اللّٰہ (نساء ۱۱) اور خدا پر بھروسہ رکھ،

جس کام کو کیا جائے پوری ہمت اور ارادہ کے ساتھ کیا جائے اور اس کا یقین رکھا جائے کہ اگر اسی کام میں بھلائی ہے تو ضرور کامیابی ہوگی، اسی کا نام توکل ہے۔

زمین اور آسمان میں جو بھی ہے، وہ اللہ کا محتاج ہے، جو خود محتاج ہے وہ بھروسہ کے قابل نہیں ہے، اسی لئے جو لوگ دل سے اللہ کو مانتے ہیں وہ ہر کام اسی کے بھروسہ پر کرتے ہیں، اس کے سوا کسی دوسرے پر ان کا دل نہیں جمتا ہے۔

بیکار ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جانے کا نام توکل نہیں ہے، ایک مرتبہ ایک دیہاتی اونٹ پر سوار ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ میں اونٹ کو یوں ہی چھوڑ کر اللہ پر توکل کروں (کہ میرا اونٹ مجھ کو مل جائے گا) یا اس کو باندھ دوں، حضورؐ نے کہا کہ اس کو باندھ کر خدا پر توکل کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کو اپنی محنت اور کوشش کو اللہ کے سپرد کر دینا چاہیئے وہ جو مناسب سمجھے گا کرے گا۔ اس میں ایک بھید یہ ہے کہ اگر ہماری کوششوں کا پھل اچھا ملا، تو غرور اور شیخی نہ پیدا ہوگی، اور اگر ہم ناکام رہے تو مایوسی اور ناامیدی نہ پیدا ہوگی۔

جو کہو وہی کرو:

لم تقولون ما لا تفعلون تم کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔

تم جو کچھ زبان سے کہو اس پر خود عمل بھی کرو، نہیں تو تمہارے کہنے سننے کا لوگوں پر کچھ بھی اثر نہ پڑے گا، قرآن میں ہے۔

کبر مقتاً عند اللّٰہ ان تقولوا ما لا تفعلون بڑی بیزاری ہے اللہ کے یہاں کہ کہو وہ جو نہ کرو۔

خدا نے فرمایا، کیا اوروں کو نیکی کی بات بتاتے ہو اور خود اپنے کو بھول جاتے ہو؟ رسول اللہ صلعم جو کہتے تھے اس کو خود بھی کرتے تھے۔ لوگوں کو غریبوں اور مسکینوں کی امداد کا حکم دیا تو پہلے خود امداد کر کے دکھا دیا، معاف کرنے کی نصیحت کی، تو اپنے زہر دینے والوں کو خود معاف بھی کیا، جنہوں نے آپ پر تیر برسائے اور تلواریں چلائیں، ان پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ الغرض تم دوسروں کو نصیحت کرو، تو خود کو بھول نہ جاؤ۔

محسنِ انسانیتؐ نے فرمایا

مومن وہ ہے جو سراپا انس و محبت کا پتلا ہو:

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال ان المومن مالف ولا خیر فیمن لا یالف ولا یولف۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایماندار آدمی تو وہ ہے جو مجسم پیکرِ محبت ہو، جو شخص کسی سے الفت نہ رکھے اور نہ اس سے کوئی الفت رکھے، یاد رکھو کہ اس میں بھلائی کی بو بھی نہیں۔

(شرح) حدیثِ مذکور میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ایک مسلمان اُنس و محبت میں حاکم و محکوم، غریب و امیر، عالم و جاہل، برکس و ناکس کا امتیاز اٹھا دینا چاہیئے کیونکہ محبت ہی وہ نعمت ہے جس سے نظامِ عالم وجود میں آیا اور اسی نعمت کے ساتھ اس کا بقا بھی مربوط ہے۔ مخلوقات میں کوئی مخلوق اس وقت تک حقیقت کا رنگ پیدا نہیں کر سکتی جب تک کہ اس کے اجزا میں پورا پورا امتزاج اور ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ پوری پوری احتیاج موجود نہ ہو، خواہ خود اس کا شعور ہو یا نہ ہو حتیٰ کہ انسانی مصنوعات بھی اس وقت تک کسی مشینری کی شکل اختیار نہیں کر سکتیں جب تک کہ اس کے متفرق پرزوں کو ایک دوسرے کے ساتھ متصل نہ کر دیا جائے، اسی نظام کے قائم رکھنے کے لئے تمام عالم کو ایک دوسرے کے ساتھ ایسا اُلجھا دیا ہے جس کی وجہ سے بڑی بڑی مملکتیں بھی چھوٹی چھوٹی حکومتوں کی خوشامد کرنے پر مجبور نظر آتی ہیں، اب آپ کو اختیار ہے کہ آپ اس کو فطرت کی طرف منسوب کریں یا قدرت کا کرشمہ سمجھیں۔

انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے اس لئے اس کی شرافت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے احتیاج و عدمِ احتیاج کے علاقہ سے بالاتر ہو کر اپنے مابین محبت کا علاقہ پیدا کرے تاکہ تمام عالم انسان سے لے کر عالمِ حیوانات تک اطمینان و سکون کی زندگی بسر کر سکے۔

ایک حدیث میں اس حقیقت کو یوں ادا فرمایا گیا ہے کہ تمام مسلمانوں کی مثال ایک جسم کی سی ہے کہ اگر اس کا ایک عضو بھی بیمار پڑ جاتا ہے تو اس کی بے چینی سے اس کا تمام جسم بے چین رہتا ہے۔ عرب کا ایک شاعر کہتا ہے ؎

وما سمی الانسان الا لانسہ وما القلب الا انہ یتقلب

یعنی انسان کو انسان کہتے ہی اس لئے ہیں کہ وہ سراپا اُنس ہی اُنس ہوتا ہے، اور قلب کا نام اسی لئے قلب ہے کہ وہ ہر وقت دھڑکتا ہے۔

اسلام سے قبل عرب خاص طور پر جس نعمت سے محروم تھا وہ یہی محبت کی نعمت تھی، پھر اسلام کے بعد سب سے پہلے وہ جس نعمت سے سرفراز کیا گیا وہ یہی نعمت تھی، اسی کو آیتِ ذیل میں یاد دلایا گیا ہے:۔

واذکروا نعمت اللّٰہ علیکم اذ کنتم اعداءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا۔ (اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب کہ تھے تم آپس میں دشمن پھر الفت دی تمہارے دلوں میں، اب ہو گئے اس کے فضل سے بھائی)

یہ خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ نعمت نہ تو سیم و زر کی طرح سے حاصل ہو سکتی ہے اور نہ جبر و تشدد کی طاقت سے، بلکہ یہ خالقِ کائنات کا براہِ راست ایک انعام ہے جو اس کی مخلوق میں اُن بندوں پر کسی ظاہری سبب کے بغیر ہو جاتا ہے جو اس کے صحیح معنی میں بندے بن جاتے ہیں۔ اس حقیقت کو قرآنِ کریم نے ان الفاظ سے ادا فرمایا ہے:۔

لو انفقت ما فی الارض جمیعاً ما الفت بین قلوبھم ولکن اللّٰہ الف بینھم۔

(اگر تو خرچ کر دیتا جو کچھ زمین میں ہے سارا، نہ اُلفت ڈال سکتا ان کے دلوں میں لیکن اللہ نے الفت ڈالی ان میں)۔

بدقسمتی سے جب مخلوق کی شامتِ اعمال کی بدولت یہ نعمت اُن سے چھین لی جاتی ہے تو ہمیشہ بدامنی اور قتل و غارت کے بادل عالم پر برسنے لگتے ہیں۔

"عالم اسلام کا زوال اس وقت سے شروع ہوا جب اس نے اسلامی تعلیم کو بالائے طاق رکھ دیا۔ یورپ و امریکہ کی ترقی اس وقت شروع ہوئی جب انہوں نے کلیسا کو جواب دیدیا"

(۱۹؍ جون ۱۹۷۷ء کو مسلم کمیونٹی سینٹر شکاگو (امریکا) میں کی ہوئی مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی تقریر کا مکمل متن جسے ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے محمد مشتاق بھوپالی اور شمس الہدیٰ بھاگلپوری نے قلمبند کیا)۔

انسان عنقا: مولانا روم کا ایک مشہور قطعہ ہے اور علامہ اقبالؒ نے اپنی ایک کتاب کا آغاز بھی اسی سے کیا ہے، اپنی کتاب کا اسے سرنامہ بنایا ہے وہ کہتے ہیں ؎

دی شیخ با چراغ ہمی گشت گرد شہر
از جان [illegible] انسانم آرزوست
زیں ہمرہان سست عناصر دلم گرفت
شیر خدا و رستم دستانم آرزوست
گفتم کہ یافت می نشود
گفتا کہ یافت می نشود آنم آرزوست

مولانا روم کہتے ہیں کہ میں نے ایک بزرگ کو دیکھا کہ وہ ہاتھ میں چراغ لئے ہوئے کسی کو تلاش کر رہے ہیں، میں نے کہا صاحب سلامت آپ کو کس چیز کی تلاش ہے؟ انہوں نے کہا کہ "میں جانوروں اور چوپایوں سے اکتا گیا ہوں۔ مجھے انسان کی تلاش ہے۔ میں انسان کی آرزو اور اس کی تلاش میں نکلا ہوں۔ میرے گرد جو انسانوں کی بھیڑ ہے ان سے میری طبیعت مکدر ہو گئی ہے اور میرا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا ہے۔ میں ایک شیر خدا ایک رستم یزدگرد کی تلاش میں ہوں۔ میں نے کہا کہ آپ عنقا کی تلاش میں نکلے ہیں، یہ آپ کو کہیں ملے گا نہیں آپ مطمئن ہو جائیں۔ انہوں نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا میری یہی تو بیماری ہے کہ جو چیز ملتی نہیں اسی کی میں آرزو رکھتا ہوں۔

آپ حضرات کو معلوم ہے کہ میں M.S.A. کی دعوت پر یہاں حاضر ہوا ہوں اور میرے لئے کولمبس کے برابر تو نہیں البتہ ایک طالب علم کی حیثیت سے اور ایک ایسے شخص کی حیثیت سے جو مذہب پر تھوڑی بہت نظر رکھتا ہے یا مذہب کی حقیقت یا روح سے واقف ہونے کی خواہش رکھتا ہے اس کے لئے یہ ایک نئی دنیا ہے۔ میں M.S.A. کا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے بلایا اور یہی نہیں بلکہ اس کا موقع عنایت کیا کہ کناڈا اور امریکہ کو چھان ڈالوں۔ اس کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک اپنی آنکھوں سے دیکھوں، لوگوں سے ملوں اور ان سے خطاب کروں اور اسی تھوڑے وقفہ میں یہاں کے لوگوں سے جتنی واقفیت حاصل کی جا سکتی ہے حاصل کروں۔ میں شمالی امریکہ سے ایک طرف نیویارک تک گیا، کناڈا بھی گیا۔ کم از کم تین چار ہزار میل کا سفر میں نے اس عرصہ میں کیا۔ میں آپ کے سامنے اس دورے کے اختتام پر حاضر ہوا ہوں ہمیں اس دورے کا خاتمہ بالخیر ہو رہا ہے۔

یہ میرے دورے کی آخری منزل ہے آپ مجھ سے اس دورے کے تاثرات سننا چاہیں گے اور آپ کا یہ مطالبہ اور تقاضا بالکل فطری ہے، ہو سکتا تھا کہ میں ایک ایسے ملک سے تعلق رکھنے والے انسان کی حیثیت سے جو ابھی بہت پسماندہ ہے جو منزلوں نہیں بلکہ صدیوں کے حساب سے پیچھے ہے۔

آپ کے سامنے یہاں کی ترقیات کا داستان سناتا لیکن آپ ترقیات سے زیادہ واقف ہیں یہ آپ کے گھر کی چیز ہے۔

میں نے آپ کے سامنے مولانا روم کا ایک قطعہ پڑھا ہے جو آپ میں سے بہت سے بھائیوں اور بہنوں کے خلاف توقع ہو۔ مولانا روم ایک ایسے زمانے میں پیدا ہوئے اور ایک ایسے خطہ زمین میں رہتے تھے جو انسانی ترقی سے بالکل ناآشنا نہیں تھا بلکہ وہ اس زمانہ کی متمدن دنیا کا متمدن ترین خطہ تھا وہ ایک ایسی جگہ موجود تھے اور ایک ایسی جگہ کے شہری تھے جہاں نئی تمدن کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ اور ایک عظیم سلطنت کی داغ بیل ڈالی جانے والی تھی۔ وہ ایران کہ جو زمانہ کا سب سے متمدن ملک تھا اور جس کو مشرق کا یونان کہنا صحیح ہو گا۔ جس نے شاعری، ادب، فلسفہ میں بڑا نام پیدا کیا ہے، جس نے دنیائے اسلام کے مشرقی حصہ کی رہنمائی کی ہے اور جس نے بڑے گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ لیکن انہوں نے اپنے دل کے داغ اور اپنے دل کی حرکت اس قطعہ میں پیش کی ہے، وہ حدیث دیگراں میں سر دلبراں کہنا چاہیئے۔

وہ شیخ کا نام تو لیتے ہیں لیکن درحقیقت یہ ان کی آپ بیتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس بھرے پڑے گلزار شہر میں اس متمدن خطہ زمین میں میں ایسا بدقسمت انسان ہوں کہ میں انسان کی تلاش میں نکلا ہوں، مجھے یہاں سب نظر آتا ہے لیکن انسان نظر نہیں آتے، اونچے اونچے محل، آسمان سے باتیں کرنے والے گلزار شہر، باغ، پہاڑ اور محلے۔ کھانوں کی افراط، لباس کی رنگا رنگی، تہذیب و تمدن کی بوقلمونی، یہ ساری چیزیں اپنی جگہ پر ہیں لیکن مجھے یہاں کوئی انسان نظر نہیں آتا۔ یہ انسان نما انسان ہیں لیکن حقیقی انسان نہیں ہیں ؎

ایں نہ مردانند اینہا صورت اند
مردۂ نانند و کشتۂ شہوت اند

انہوں نے دوسرے شعر میں حقیقت بیان کی ہے کہ تم جو دیکھ رہے ہو وہ انسان نہیں ہیں یہ روٹی کے مارے . . . . . اور خواہشات کے مارے ہوئے ہیں۔

مشینوں کی بہار: میں اگر آپ سے یہ کہوں کہ میں نے امریکہ کو تھوڑے عرصہ میں جتنا دیکھا اور جتنا دیکھا جا سکتا تھا دیکھا۔ مشرق سے مغرب تک گیا شمال و جنوب کا بھی اچھا خاصا حصہ طے کیا مجھے یہاں مشینوں کی ترقی نظر آئی۔ یہ جو کچھ آپ یہاں کی بہار دیکھ رہے ہیں یہ سب علم ریاضی کی، حساب کی، صنعت و حرفت اور ٹکنالوجی کی بہار ہے، اس میں انتہائی عروج پر یہ فن پہونچ گیا ہے، وہ انسان کو جو دے سکتا تھا، جو آسائش فراہم کر سکتا تھا جو ترقی عطا کر سکتا تھا، اس نے وہ سب کیا، اس نے اپنا خزانہ اگل دیا ہے۔

لیکن جہاں اس ملک میں تل دھرنے کو جگہ نہیں ہے، جہاں کے شہر آدمیوں سے اس طرح بھرے ہوئے ہیں کہ راستہ چلنا مشکل ہے لیکن اس انسانی جنگل میں اگر یہ دیکھا جائے اور پوچھا جائے کہ حقیقی انسان کتنے ہیں جن کے پہلو میں دھڑکنے والے دل، جن کے پاس انسانیت کے غم میں آنسو بہانے والی آنکھیں ہیں جو انسانیت کے سوز میں جلنے والے ہیں جو نفس پر پورا قابو رکھتے ہیں جو اس تہذیب کے مرکب نہیں بلکہ اس تہذیب کے راکب ہیں، جنکے دوش پر تہذیب سوار نہیں بلکہ وہ تہذیب کے دوش پر سوار ہیں زندگی کی باگ اور عنان زندگی اُن کے ہاتھ میں ہے اور وہ اس عنان زندگی کے ہاتھ میں نہیں جن کو زندگی بھگائے، دوڑائے اور سرپٹ لئے نہیں جا رہی ہے بلکہ وہ زندگی پر پورا کنٹرول رکھتے ہیں۔ وہ زندگی کے حاکم ہیں وہ زندگی کے محکوم نہیں، وہ انسان کتنے ہیں جو اپنے پیدا کرنے والے کو پہچانتے ہیں اور جانتے ہیں اور جن کے دل اس کی محبت سے معمور اور اور انسانیت کے احترام سے مخمور اور چور ہیں۔ جنھوں نے اپنے نفس سرکش کو بالکل تابع میں کر لیا ہے۔ جن کی زندگی سادہ اور فطرت کے بالکل قریب ہے۔ جو حقیقی لذتوں سے آشنا ہیں جو انسانیت کے غم میں گھلے جا رہے ہیں جنکو قوموں کا انتشار اور افراد کا تصادم اور ان کی خود غرضی پسند نہیں، جو کسی ملک کو مصیبت میں دیکھ نہیں سکتے۔ جو ہر ملک کو ترقی دینا چاہتے ہیں اور بالکل بے غرض ان کی خدمت کرنا چاہتے ہیں جو دینے کے لئے بے چین بیتاب اور بے قرار ہیں، جنکا ہاتھ دینے کے لئے آگے بڑھتا ہے نہ کر لینے کے لئے، جن کی راتوں کی نیند بدقسمت اور بدحال قوموں اور ملکوں کی پریشانیوں کی وجہ سے حرام ہے، جو رات کو اٹھ اٹھ کر روتے ہیں انہوں نے صرف اتنا ہی نہیں سمجھا ہے کہ کھاؤ، پہنو اور عیش کی زندگی بسر کرو۔ ع

بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

جن کا فلسفہ زندگی یہ نہیں کہ کھاؤ پیو مست رہو بلکہ جن کا فلسفہ حیات یہ ہے کہ کسی انسان کو کھلا کر خاذ کرنے میں وہ لذت ہے وہ آسودگی ہے وہ لطف ہے کہ جس پر ہزاروں کھانوں کی لذت قربان۔ جن کا یہ یقین ہے کہ انسانیت سے بڑھ کر کوئی شرف کی اور عزت و احترام کی چیز نہیں جو ہارنے میں اپنی جیت سمجھتے ہیں کھونے میں یافت سمجھتے ہیں، جو اپنی تعمیر میں اپنے ملک کی تعمیر میں منہمک نہیں بلکہ انسانیت کی تعمیر کے خواب دیکھتے ہیں۔ جو ساری دنیا کو متحد دیکھنا چاہتے ہیں۔ اقوام متحدہ کے منشور اقوام متحدہ کے اسٹیج پر نہیں بلکہ انسانی وحدت کے حقیقی اور فطری اسٹیج پر۔ ایسے انسان جو اپنی زندگی

کے آغاز و انجام سے آشنا بھی ہیں اور اس کیلئے متوجہ بھی ہیں، جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا کوئی پیدا کرنے والا ہے اور ہم حشرات الارض کی طرح کھا کر زندگی گزار کر مٹی نہیں ہو جائیں گے بلکہ ہمیں کہیں جانا ہے۔ اور خدانے جو عظیم صلاحیتیں ہمیں عطا کی ہیں جنھوں نے لوہے کے اندر جان پیدا کر دی ہے جمادات میں جان ڈالدی ہے، جنھوں نے آسمانوں کی پہنائیاں مسخر کر لی ہیں، جنھوں نے زمین کی طنابیں کھینچ لی ہیں، جنھوں نے سورج کی شعاعیں گرفتار کر لی ہیں، جنھوں نے چاند اور سیاروں کی گزرگاہیں دریافت کر لی ہیں اور آخر میں وہ انسان چاند پر پہونچ گیا ہے۔ انسان کا کمال اس میں نہیں کہ جمادات میں جان ڈال دے اور جمادات کے ذریعہ کائنات کو مسخر کرے بلکہ اس کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے میں جان ڈالے خدا نے انسان کا پتلا پیدا کیا تھا اور خلافت کا تاج اس کے سر پر رکھا تھا اس لئے انسان کی ترقی یہ نہیں ہے کہ جمادات کا غلام بن جائے بلکہ انسان کی ترقی یہ ہے کہ وہ جمادات کو اپنا غلام بنالے اور اپنا ہی غلام نہ بنائے بلکہ خدا کا غلام بنائے وہ خدا کا منشا پورا کرنے کا ان سے کام لے۔

قفس زریں کے اسیر: وہ انسان کہ جو ملکوں پر حکومت قائم کرنا اور اپنی بالادستی جما لینا اور سب کو اپنے سامنے جھکا لینا اپنی معراج نہیں سمجھتے بلکہ وہ انسانیت کی بے لوث خدمت کرنا چاہتے ہیں اور انسانیت سے انہوں نے اپنی قسمت وابستہ کر دی ہیں اور دنیا کے کسی ملک کا غلام بن جانا، کسی انسانی جماعت کا غلام بن جانا ان کے لئے ایسی شرم کی بات ہے کہ وہ اس کو کسی وقت گوارا نہیں کر سکتے۔ وہ ان اقوام کی انسانیت کو نفس کی غلامی سے، خواہشات کی غلامی سے، طاقت کی غلامی سے، دولت کی غلامی سے، سرمایہ کی غلامی سے، علم کی غلامی سے، عقل کی غلامی سے، حد یہ ہے کہ علم و عقل کی بھی غلامی سے نکالنا چاہتے ہیں، جو یہ کہہ سکیں جیسے عرب کے اس بدو نے کہا، جس کو اسلام نے گویا فرش سے اٹھا کر عرش پر پہونچا دیا تھا، جس نے اس کے دماغ کو آسمان پر پہونچا دیا تھا جس نے یہ کہا تھا اللّٰہ ابتعثنا لنخرج الناس من عبادۃ الناس الی عبادۃ اللّٰہ ومن ضیق الدنیا الی سعتہا [illegible]

وہ بدو یہ کہتا ہے اور رستم سے کہتا ہے جس کا نام سنکر دلوں پر ہیبت طاری ہو جاتی تھی جس کا نام سنکر فوجیں پانی پانی ہو جاتی تھیں۔ اس رستم کے دربار میں بدو یہ کہنے کے قابل ہوا کہ "خدا نے ہم کو اس لئے بھیجا۔ اس لئے مبعوث کیا کہ انسانوں کو انسانوں کی عبادت سے نکال کر خدا کی بندگی میں داخل کریں اور دنیا کی کالی کوٹھری سے نکال کر دنیا کے اس پنجرہ سے جس کا تم نے مملکت ایران کا نام رکھ لیا ہے، جس کو ساسانی دولت ساسانی شہنشاہیت کا نام دیا ہے، اس کو ہم پنجرہ سمجھتے ہیں، قفس سمجھتے ہیں، قفس زریں ہی سہی سونے کی تیلیوں سے بنا ہوا ہی سہی لیکن ہم اس کو پنجرا سمجھتے ہیں، ہم اسی لئے آئے ہیں ہمیں اپنے حال زار پر رحم نہیں آیا بلکہ تمہارے حال زار پر رحم آیا ہے ہمیں جذبہ ترحم صحرائے عرب سے نکال کر لایا۔ اے بدقسمتو! اے بدقسمت ایرانیو! ہم تم کو اس قفس زریں سے جس میں تم بلبل کی طرح گرفتار ہو اور چہچہا رہے ہو اور ہنس ہنس کر کھیل کھلا رہے ہو خدا کی لامحدود فضا میں اور آزادی کی لامحدود فضا سے آشنا کریں، تم اپنی عادتوں کے غلام ہو، تم تعیش کا سامان کرنے والوں کے غلام ہو، تم اپنے گرگوں کے غلام ہو، تم اپنے غلاموں کے غلام ہو۔ تم اپنے باورچیوں کے غلام ہو، تم اپنے پانی پلانے والوں کے غلام ہو، تم اپنی گھر کی چار دیواری کے غلام ہو ہم صرف خدا کے غلام ہیں۔ ہم اس لئے آئے ہیں کہ تم کو سینکڑوں قسم کی غلامی سے جن کی تعداد سینکڑوں تک پہونچتی ہے۔ ہم ایک غلامی سے نہیں غلامیوں سے غلامیوں کے مجموعہ سے، کیونکہ بھی جن کی میزان جوڑ کر نہیں بتا سکتا کیونکہ اندر کی دنیا سے واقف نہیں وہ باہر کی چیزوں کو گن لے گا لیکن جب ریشہ ریشہ غلام ہو، جب ذرہ ذرہ غلام ہو، جب انسان اپنے اندر اتنا غلام جتنا باہر ہے۔ جب غلامی اس کا مزاج بن گئی ہو، جب غلامی اس کے رگ و پے میں سرایت کر گئی ہو۔ جب غلامی کے بغیر اس کا جینا مشکل ہو، جب غلامی سے اس کو عشق ہو گیا ہو۔ جب غلامی اس کو آزادی سے بہتر معلوم ہوتی ہو تو اس غلامی کا حساب کون کیونکر کر سکتا ہے۔ عرب کے اس بدو نے کہا کہ ہم اس لئے آئے ہیں کہ تم کو ان غلامیوں سے جن کی تعداد خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا ان ہزارہا غلامیوں سے نکال کر تم کو ایک حریت میں لائیں۔

نور ایک ہے اور ظلمتیں بیشمار: حریت ایک ہے، اور غلامی بے شمار، نور ایک ہے ظلمتیں بے شمار۔ اس لئے آپ دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں جہاں بھی ذکر ہے نور واحد آیا ہے، "یخرجونھم من الظلمات الی النور" کیا عربی زبان میں نور کی جمع نہیں آسکتی ـــ کیا قرآن مجید کا دامن تنگ تھا جس طرح ظلم کی جمع ظلمات ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ نور ایک ہے اور ظلمتیں بے شمار ــ نور کا سرچشمہ ایک ہے اور وہ خدا کی معرفت ہے، وہاں سے نور کا فیضان نہ ہو تو پھر ہدایت کا کوئی اور ذریعہ نہیں۔ آج ہم اس ملک کو دیکھ سکتے ہیں اور اقبال کا یہ شعر یاد کرتے ہیں۔ اقبالؒ یہاں نہیں آئے لیکن مغربی تہذیب کا مطالعہ ہم سے اور آپ سے زیادہ گہرا تھا۔ مغربی تہذیب ہمارے لئے مشاہدہ ہے ان کے لئے ایک مطالعہ تھا اور ایک تصور تھا انہوں نے کہا کہ ؎

وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہے محروم
حد اسکے کمالات کی ہے برق و بخارات

آج ہم امریکا کو دیکھتے ہیں کہ مغرب میں علم و ہنر ہے لیکن یہ چشمۂ ظلمات یا بحر ظلمات اور بحر ظلمات کہنا زیادہ صحیح ہو گا۔

یہ ایسا بحر ظلمات ہے یہاں آب حیات نہیں، ایک پرانی کہاوت ہے جو چلی آرہی ہے کہ بحر ظلمات میں آب حیات پایا جاتا ہے اور کہتے ہیں کہ سکندر نے خضر کو اپنا رہبر بنایا کہ مجھے بحر ظلمات میں آب حیات کے کنارے کھڑا کر دو۔ خضر نے بھی ہار مانی اور کہا کہ ہم نہیں پہونچا سکتے۔ اسی کو اقبال کہتا ہے کہ یہ بحر ظلمات تو ہے یہ عالم ظلمات تو ہے لیکن چشمۂ حیوان نہیں، جو قوم فیضان سماوی سے محروم ہو جائے، نبوت کا دامن جسکے ہاتھ سے چھوٹ جائے جو اپنے علم و عقل پر تکیہ کرے جسکی ساری ذہانتیں جمادات پر صرف ہوں، لوہے پر صرف ہوں، فولاد پر صرف ہوں اور آلات پر صرف ہوں جو عالم انفس کے بجائے عالم آفاق کو اپنی محنتوں، ذہانتوں اور کاوشوں کا میدان بنائے اس کا انجام کیا ہے۔ جمادات مسخر ہوتے ہیں لیکن خود اس کا نفس مسخر نہیں ہوتا، کائنات مسخر ہوتی ہے روح کائنات مسخر نہیں ہوتی، مغرب نے مادیات کو اپنی ترقی کا میدان بنایا یعنی اس نے مادی ترقی کو اپنی زندگی کا مقصد اعلیٰ قرار دیا۔ اس میں خدا نے اپنی سنت کے مطابق جیسا کہ اس کی سنت جاریہ ہے ہمیشہ سے اس کی سنت چلی آرہی ہے کہ آدمی اپنے لئے عمل کا اور کوشش کا جو میدان انتخاب کرے گا وہ اس کی اس میں پوری پوری مدد کرے گا۔ انسان جس میدان میں بڑھنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بڑھنے کا پورا موقع دیتا ہے۔ اب سارا مسئلہ میدان کے انتخاب کا ہے۔

عیسائیت یورپ کے لئے ناموزوں: مغرب نے خاص تاریخی اسباب کی بناپر ـ آپ لوگوں میں سے جنکی مغرب کی تاریخ پر نظر ہے، یہاں کے تمدن کے ارتقا کی تاریخ پر نظر ہے جنھوں نے ڈریپر کی کتاب "معرکہ مذہب و سائنس" کا مطالعہ کیا ہے جنھوں نے کلیسا اور قیصر کی داستان پڑھی ہے جنھوں نے مذہب سائنس کی خونریز جنگ کی داستان پڑھی ہے، جنھوں نے یہ دیکھا ہے کہ اس ملک کے حصہ میں جب مسیحیت بطور مذہب کے آئی جب اس ملک نے مسیحیت کا انتخاب کیا اور مسیحی داعیوں اور مبلغوں کی قربانیوں اور کوششوں سے مسیحیت اس خطہ زمین میں پہونچ گئی اس کے بعد خود بخود ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ مغرب نے اپنی کوششوں کا میدان مادیات کو بنا لیا، اس لئے کہ مذہب کو وہ اپنی کوششوں کا میدان نہیں بنا سکتا تھا، مذہب اس کی بہت افزائی بھی نہیں کرتا ہے، مذہب اس کو پیچھے لیجانا چاہتا ہے، اس بے چین خطۂ زمین کے اقوام کی فطرت بے چین و بیتاب تھی وہ ان کو آگے لے جانا چاہتی تھی مسیحیت ان کو پیچھے لیجانا چاہتی تھی قدرت کے معجزات اور ترقی کے امکانات اس کے سامنے آرہے تھے، قوموں کے درمیان جو مسابقت اور جو ریس تھی وہ ان کو آگے لے جانا چاہتی تھی وہ ان کو اس پر آمادہ کر رہی تھی کہ ایک ایک قطرہ اس رگ تاک کا، اس انگور کی شاخ کا ایک ایک قطرہ نچوڑ لیں۔ اور اس مٹی سے گل کھلائیں، جمادات کو بولتا ہوا بنا دیں ان کی طبیعت کا اور دنیا میں جو انقلاب آرہا تھا اس کا نتیجہ یہ تھا کہ یہ اپنی کوششوں اپنی ذہانتوں کا ایسا میدان منتخب کرے جس میں اس کو کوئی روکنے والا نہ ہو اور ایک وسیع میدان ہو جس میں قدم قدم پر اس کو بائبل کی رہنمائی کی نوبت نہ آئے اور ارباب کلیسا سے پوچھنے کی ضرورت پیش نہ آئے کہ یہ جائز ہے یا ناجائز۔ اس ملک کی یہ بدقسمتی تھی بلکہ ساری انسانیت کی بدقسمتی تھی کہ اس کے حصہ میں عیسائیت آئی۔

جو شخص مذاہب کی تاریخ سے واقف ہے اگر اس سے یہ پوچھا جائے کہ یورپ کے مزاج کے اور مغرب کی افتاد طبع سے سب سے زیادہ بیر رکھنے والا اور سب سے زیادہ دشمنی رکھنے والا مذہب کون ہو سکتا ہے اس کا جواب ایک ہو گا کہ وہ عیسائیت ہے اور اگر پوچھا جائے کہ اس کی بے چین طبیعت کو آسودہ کرنے والا، اس کو صحیح رُخ پر لگانے والا اس کے اندر اعتدال پیدا کرنے والا، وسائل و مقاصد کو ہم آہنگ بنانے والا اور اس کے رشتے سے انسانیت کا ایک نیا منصوبہ بنانے والا، انسانیت کو ایک نیا خون عطا کرنے والا اور پوری انسانیت کو صحیح راہ پر لگانے والا مذہب کون ہو سکتا ہے؟ تو انصاف پسند آدمی صرف ایک ہی جواب دے گا کہ وہ ہے "اسلام" عیسائیت کے نزدیک انسان پیدائشی گنہگار ہے وہ تمدن کا کیسے ساتھ دے سکتا ہے، سب سے بڑا

بوجھ اس کے سر پر پیدائشی گناہ کا ہے۔ اس کا سر دبا جارہا ہے، گردن جھکی جارہی ہے، دبی جارہی ہے۔ پیدائشی گناہ کا اعتقاد رکھنا بحیثیت ایک عیسائی کے اس کا فرض ہے، وہ اپنے اوپر کیسے اعتماد کرسکتا ہے؟ وہ کائنات کو کیسے مسخر کرسکتا؟ جو خود گنہگار ہے، اپنے گناہ میں آلودہ ہے اور جو شرمسار ہے اپنے گناہ سے وہ کائنات سے کیسے آنکھیں ملا سکتا ہے۔ وہ فطرت کی طاقتوں کو زمین سے کیسے ابھار سکتا ہے، نکال سکتا ہے، کیسے سمندروں کا سینہ چاک کرسکتا ہے اور سیاروں پر پہونچنے کا خواب دیکھ سکتا ہے۔

جب ایک انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ جنم کا گنہگار ہے گناہ اس کی قسمت میں لکھ دیا گیا ہے وہ ایک کفارہ کا محتاج ہے جو اس کی طرف سے کفارہ بن جائے تو وہ فطرت کا اور فطرت کے فتوحات کا یہ سفر انکشافات و تحقیقات کا سفر جرأت کے ساتھ فخر کے ساتھ کیسے کرسکتا ہے یہ تضاد تھا اور کتنا بڑا تضاد جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی، جیسے ایک گاڑی میں دو گھوڑے جوت دئے جائیں ایک پیچھے کی طرف اور ایک آگے کی طرف۔ یہی مثال انسان کی ہے کہ کسی بیل گاڑی میں دو بیل مختلف سمتوں میں جوت دئے جائیں۔ یورپ کا حال یہی ہوا اس میں دو بیل یا دو گھوڑے جوتے گئے۔ یہاں کی آب وہوا اور فضا کا اثر ہے کہ طبیعت کرنے کے لئے بے چین تھی، لیکن عیسائیت کا جو گھوڑا جتا ہوا تھا وہ پیچھے کی طرف لے جارہا تھا، وہ رہبانیت کی طرف لے جارہا تھا وہ کہتا تھا کہ انسانیت زندگی سے فرار کا نام ہے۔ اہل کلیسا صاف صاف کہتے تھے کہ انسان کی ترقی زندگی سے فرار میں ہے، انسان اگر روحانی ترقی چاہتا ہے تو اس کو پہاڑوں میں رہنا چاہئے، کلیسا کے لئے زندگی وقف کردینا چاہئے۔ اس کو ازدواجی زندگی سے ناتا بالکل توڑ دینا چاہئے، اس کو عورت کا منھ نہیں دیکھنا چاہئے۔ آپ لیکی کی تاریخ اٹھاکر پڑھیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ اس وقت کا منزلی انسان عورت کے سایہ سے ماں کے سایہ سے بھاگتا تھا، جس سے بڑھ کر شقاوت کی کوئی مثال نہیں ہوسکتی کہ ماں ہزاروں میل کا سفر طے کرکے آتی تھی تاکہ اپنے لخت جگر کو ایک نظر دیکھ لے اور جس وقت اس لخت جگر کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ میری ماں ایک ہزار میل سے سفر کرکے مجھے دیکھنے آئی ہے تو وہ اس طرح بھاگتا تھا، جس طرح انسان بھوت پریت سے بھاگتا ہے اور وہ ماں رو کر تڑپ کر واپس چلی جاتی تھی یہ وہ عیسائیت تھی جو یورپ اور امریکہ کے حصہ میں آئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ اور امریکہ نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر ہمیں ترقی کرنا ہے تو کلیسا کی غلامی سے ہمیں آزادی حاصل کرنا چاہئے اور مذہب سے بھی آزادی حاصل کرنا چاہئے۔ غرض انہوں نے مذہب کو چھوڑ دیا اور عالم اسلام کا زوال اس وقت سے شروع ہوا جب اس نے مذہب کو چھوڑ دیا۔ بالکل دو حقیقتیں ہیں۔ یورپ کی ترقی اس وقت ہوئی جب کہ اس نے عیسائیت کو جواب دیا، دور سے سلام کیا اور عالم اسلام میں زوال کی تاریخ اس وقت سے شروع ہوتی ہے جب اس نے اسلامی تعلیمات کو بالائے طاق رکھ دیا۔

مشینوں کا غلام:

اس صورت حال نے آج امریکہ کو مشینوں کا غلام بنا دیا۔ آج امریکہ کی حکومت ساری دنیا میں مانی جاتی ہے۔ امریکہ کا ہاتھ ساری دنیا کی سیاسیات میں کام کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ کسی ملک کو بھی مستثنیٰ نہیں کرسکتے۔ میں امریکہ کے قلب میں بیٹھ کر کہہ رہا ہوں اور اس کا اعلان کرتا ہوں کہ آج کوئی ملک خواہ اسلامی ہو یا غیر اسلامی امریکہ کی کسی نہ کسی طرح کی غلامی میں اسیر ہے یہاں وہ منصوبے بنتے ہیں جو ہمارے ممالک اور ہمارے وطن میں جاری کئے جاتے ہیں اور ہمارے ہی لیڈر اور ہمارے ہی قائد و رہنما ان منصوبوں کو کامیاب بناتے ہیں۔ آج امریکہ نے ساری دنیا کو غلام بنا لیا ہے لیکن امریکہ خود مشینوں کا غلام ہے۔ آج امریکہ خود اپنی اس نظام زندگی کا غلام ہے اس فضا کا غلام ہے — Living standard — معیار زندگی کا غلام ہے، اپنی ان مشینوں اور آلات کا غلام ہے جن کے بغیر وہ زندگی کا تصور ہی نہیں کرسکتا۔ درحقیقت جو چیز ہمیں سب سے زیادہ عنقا نظر آتی ہے وہ ہے انسان، وہ حقیقی انسان جس کے دل میں ایک زندہ اور بیدار دل ہو، کوئی مشین نہ ہو۔ انسان اس طرح مشینی زندگی میں ڈھل گیا ہے کہ اب اس کے تصورات بھی مشین بن گئے ہیں۔ اس کے احساسات بھی مشین بن گئے ہیں اس میں جمادات کا اثر آگیا ہے، لوہے کا اثر آگیا ہے۔ اس میں رقت نہیں گداز نہیں، اس میں لچک نہیں، آنکھوں میں نمی نہیں اور دل میں گداز اور نرمی نہیں — یہ ہے وہ حقیقت جو میں نے امریکہ میں دیکھی۔

اپنی شخصیت تحلیل نہ ہونے دیں:

قبل اس کے کہ میں امریکہ کی سرزمین کو خیرباد کہوں میں آپ سے یہ بات کہتا ہوں کہ آپ اس تہذیب سے مرعوب نہ ہوں آپ جس ڈال کے میوہ ہیں، آپ جس درخت کے پھل ہیں اور جس دیگ کی کھرچن ہیں وہ کچھ اور ہے وہ نبوت کا درخت ہے۔ آپ یہاں رہیں لیکن آپ تہذیب کے غلام نہ بنیں آپ یہاں سے فائدہ اٹھائیں، میں کوئی فتویٰ نہیں دیتا کہ ناجائز ہے جائز ہے حرام کام کررہے ہیں لیکن آپ ان چیزوں سے مرعوب نہ ہوں، آپ اپنا پیغام یاد رکھیں، آپ اپنی شخصیت کو تحلیل نہ ہونے دیں۔ آپ اس تہذیب کا کلمہ پڑھنے لگیں آپ اپنے کو، اپنے دین کو، اپنے نظام زندگی کو، اپنی معاشرت کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں آپ یہ نہ سمجھیں کہ ہم حیوان ہیں اور یہ انسان ہیں۔ نہیں آپ انسان ہیں اور یہ حیوان ہیں ؎

تاریک ہے افرنگ مشینوں کے دھوئیں سے
یہ وادی ایمن نہیں شایان تجلی

اپنے تراشے ہوئے بتوں کے غلام:

یہ اپنی عادتوں کے غلام ہیں۔ یہ اپنے بنائے ہوئے اور ڈھالے ہوئے آلات کے غلام ہیں۔ اتعبدون ما تنحتون۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے پیغمبروں کی زبان سے کیا معجزانہ الفاظ ہیں کہ یہ کیا تماشہ ہے کہ آج جس چیز کو بناتے ہو کل اسی کے سامنے سجدہ ریز ہوجاتے ہو آج یہاں ایک چیز بنتی ہے، ایک معیار بنتا ہے ایک اصول بنتا ہے، ایک مشین بنتی ہے اور کل سارا ملک اس کا غلام ہوجاتا ہے، اپنے ہی بنائے ہوئے، اپنے ہی ڈھالے ہوئے، اپنے ہی تراشے ہوئے بتوں کے غلام یہ ایک وسیع آزرکدہ ہے جس میں ابراہیمی اذان کی ضرورت ہے اور ابراہیمی اذان سنانے والے آپ ہی ہوسکتے ہیں۔

آپ ہیں ابراہیم ؑ کے اصلی نام لیوا۔ یہود نہیں ہیں اس راستہ سے وہ مفقود ہوچکے، عیسائی نہیں ہیں وہ سینٹ پال کی عیسائیت پر چل رہے ہیں، وہ حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم ؓ کی عیسائیت سے بالکل تہی دست ہوچکے ہیں یہ ایک بہت بڑی سازش ہوئی اور کامیاب ہوئی شاید مذہبی سازشوں میں کوئی سازش اتنی کامیاب ہوئی ہو اس نے پوری مسیحیت کو مسیح کی لائی ہوئی مسیحیت سے ہٹاکر سینٹ پال کی مسیحیت پر ڈال دیا آج مسیحیت خواہ کیتھولک ہو یا پروٹسٹنٹ وہ سینٹ پال کی مسیحیت ہے۔ سینٹ پال نے جس مسیحیت کی تشکیل کی تھی آج یہ سب اس کے غلام ہیں اس لئے عیسائی حضرت ابراہیم ؑ کے جانشین نہیں، آپ ابراہیم ؑ کے جانشین ہیں اور اقبال کے الفاظ میں کہوں گا ؎

معمار حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز
از خواب گراں خواب گراں خواب گراں خیز
از خواب گراں خیز

آپ معمار حرم ہیں۔ آپ کو نئی دنیا کی تعمیر کرنی چاہئے اور صرف معمار حرم کو یہ حق حاصل ہے کہ نئی دنیا کی تعمیر کرے۔ آج دنیا میں تخریب کارگر ہے۔ وہ دیکھنے میں تعمیر ہے حقیقت میں تخریب۔ آپ جس پیغام کے حامل ہیں۔ آپ جس کتاب آسمانی کے حامل ہیں۔ آپ جس نبی کے امتی ہیں اس نبی کا ہی یہ کام تھا، اس نبی کا ہی یہ منصب تھا کہ دنیا کو تمام غلامیوں سے نجات دے کر خدائے واحد کی غلامی میں داخل کرے۔ اس لئے آپ امریکہ میں ایک کھانے پینے والے انسان ہندوستانی پاکستانی، مصری اور شامی کی حیثیت سے نہیں ہیں ؎

بتان رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہوجا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

آپ مصری اور شامی نہیں ہیں — آپ مسلمان ہیں، آپ امت مسلمہ ہیں، آپ ابراہیمی اور محمدی ہیں، اس لئے آپ اپنی حقیقت کو پہچانیں آپ اس لئے نہیں آئے ہیں کہ اس مشین میں ایک چھوٹے پرزے کی طرح فٹ ہوجائیں اور اپنا وجود ختم کرلیں آپ اپنا پیٹ بھرلیں جس طرح جانور پیٹ بھرتے ہیں نہیں بلکہ آپ ان کو پیغام دیں ان کو جگائیں ان کو جھنجھوڑیں کہ تم زندگی کے غلط راستے پر پڑگئے ہو اور زندگی کا کون سا لطف تم کو حاصل ہے زندگی کے حقیقی رُخ سے تم روشناس ہوئے ہی نہیں ہو۔ جب ان کے اندر یہ احساس بیدار ہوتا ہے تو یہ دوسرے راستے پر چل پڑتے ہیں یہ ہپی ازم کی طرف چلے جاتے ہیں۔ یہ خودکشی کی طرف چلے جاتے ہیں یہ زندگی سے فرار کی طرف چلے جاتے ہیں، یہ ہندو جوگ کی طرف چلے جاتے ہیں یہ سنیاس کی طرف چلے جاتے ہیں — آپ کبھی الٰہ آباد آئیں وہاں بڑا میلہ ہوتا ہے، تو آپ دیکھیں گے کہ بڑے بڑے پڑھے لکھے امریکی جانوروں کی طرح اور بالکل دیوانوں کی طرح پھر رہے ہیں — وہ وہاں قیام کرتے ہیں وہ وہاں جاکر سادھوؤں اور دیوتاؤں کے پاس بیٹھتے ہیں۔ یہ اس بات کا نتیجہ ہے کہ جس طرح آدمی کو تخمہ ہوجاتا ہے ان کو تمدن کا تخمہ ہوگیا ہے۔ تمدن کی شراب انہوں نے اتنی پی لی ہے کہ اب وہ قے کررہے ہیں تسکین وہاں جاکر حاصل کرتے ہیں جہاں اس جذبہ کی تسکین نہیں ہوتی۔

حیوانیت کی طرف رجوع اور خدا کی نعمتوں سے انکار اور کائنات سے رشتہ توڑ لینا یعنی زندگی سے فرار۔ کاش ہمارے اسلامی ملک اس قابل ہوتے، آج حکومت سعودیہ اور جو ملک اس کے تابع ہیں اس قابل ہوتے کہ ان امریکیوں کو وہ صحیح راستہ دکھاسکتے۔ ان امریکیوں سے بلندی سے بات کرسکتے۔ وہ ان کو طفل مکتب سمجھ کر ان سے بات کرتے تو آج اس کی نوبت نہ آتی — لیکن ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمارا ایک ملک بھی اس قابل نہیں بشمول پاکستان ایک اسلامی ملک بھی اس قابل نہیں ہے کہ امریکیوں سے آنکھیں ملاکر بات کرے اور ان کو صحیح راستہ دکھاسکے۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ اپنے اس تمدن سے نفرت کرتے ہیں اور رد عمل پیدا ہوتا ہے تو وہ اس کی تسکین کے لئے ہندوستان

کے ہمالیہ کی چوٹیوں پر جاتے ہیں، نیپال جاتے ہیں، وہاں مست کردینے والی، نشہ لانے والی چیزیں استعمال کرتے ہیں، بھنگ، چرس کے لئے وہاں جاتے ہیں، ہپی بن جاتے ہیں اگر آج ہم مسلمان اس قابل ہوتے تو ہم ان کو صحیح راستہ دکھاسکتے تھے۔

کہاں ہیں مسلمان؟

میرے بھائیو اور بہنو! تم یہاں صرف اس لئے نہیں ہو کہ کماؤ اور کھاؤ۔ یہ کام تو دنیا کی ہر قوم کرسکتی ہے، اور ہمارے ہندو ہمسایہ تو ہم سے زیادہ بہتر انجام دے سکتے ہیں۔ تم یہاں اس لئے ہو کہ بقدر ضرورت کھاؤ اور کماؤ لیکن اپنے منصب کو پہچانو اور ایک نئی زندگی کا نمونہ ان کو دکھاؤ، اذانیں دو تاکہ ان کے دماغوں کو چوٹ لگے، نمازیں پڑھو تاکہ وہ آنکھوں کے راستے سے غور کرنے پر مجبور ہوں پاک صاف رہو تاکہ ان کو آلودہ زندگی سے نفرت پیدا ہو، اعتدال سے زندگی گزارو تاکہ ان کو اپنی بے اعتدالی کا احساس ہو مشینوں کی غلامی سے آزاد ہوکر سکون کی زندگی بسر کرو تاکہ ان کو معلوم ہو کہ سکون کہاں ملتا ہے اپنے دل کی دنیا آباد کرو۔ تمہارے اندر وہ روحانیت ہو کہ وہ تمہارے پاس بیٹھیں تو ان کو یہ محسوس ہو، ان کے اندر ایک نئی طاقت آگئی۔ آج وہ وقت تھا کہ اہل دل اہل باطن اس ملک میں توجہ کرتے اور ان برگشتہ انسانوں کو جو اپنی زندگی سے بیزار ہیں جو اپنے گھروں اور شہروں سے باہر نکلے آرہے ہیں ان کا ہاتھ پکڑ کر کہتے کہ "الا بذکر اللہ تطمئن القلوب" اللہ کے ذکر میں اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

آج یہ پیغام دینے کے لئے صرف مسلمان تھے۔ لیکن کہاں ہیں مسلمان؟ کیا ہے کسی اسلامی ملک میں ہمت۔ کیا ہے کسی مسلمان قوم میں ہمت کہ ان امریکیوں سے کہے کہ "الا بذکر اللہ تطمئن القلوب"؟ ان کو خود اس آیت پر یقین نہیں رہا کہ ذکر الٰہی سے سکون حاصل ہوتا ہے وہ دوسروں کو کیا پیغام دیں گے جن کو نمازوں کی بلندی، نمازوں کی افادیت کا خود یقین نہیں رہا جن کو کلمہ کی حقیقت اور صداقت پر خود یقین نہیں رہا جن کو خدا کے خیر وشر اور نفع وضرر کے مالک ہونے پر خود یقین نہیں رہا جن کو تقدیر کے ہونے پر خود یقین نہیں رہا، جنہوں نے امریکیوں کو اپنا رازق سمجھ لیا جنھوں نے اپنا رازق کارخانوں کو سمجھ لیا ہے، وہ کیسے ان کو توحید کا پیغام دے سکتے ہیں۔ کیسے ان سے کہہ سکتے ہیں کہ لا رازق الا اللہ"۔

میرے بھائیو اور بہنو! پہلے اپنے میں ایمان پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ نمازوں کی پابندی کرو، تھوڑی دیر تنہائی میں بیٹھو، اپنے قلب کی دنیا آباد کرو۔ وہ حرارت پیدا کرو جن کو مشینوں کی دھوئیں نے سلب کرلیا ہے۔ پہلے روح کو جِلا دو، اپنی زندگی کا مقصد صحیح کرو، انسان کی زندگی گزارنے کی کوشش کرو، قرآن کا مطالعہ کرو، سیرت نبوی کو مطالعہ میں رکھو، اس سے روشنی حاصل کرو اور اس کے بعد ان امریکیوں کو دین فطرت کا پیغام دو صرف اسلام ہی دین فطرت ہے جو فطرت کی بیخ کنی نہیں کرتا جو فطرت کا گلا نہیں گھونٹتا، مسیحیت کی طرح جو فطرت کو مقابل نہیں کرتا بلکہ کہتا ہے کل مولود یولد علی الفطرۃ وابواہ یہودانہ وینصرانہ ویمجسانہ۔ فطرت فطرتاً صالح ہے "فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا" وہ انسان کی فطرت جس پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سادہ تختی دی علم کی تختی دی تھی، سلیم فطرت دی تھی، خیر کا رجحان دیا تھا، ہم نے اس کو آلودہ کردیا انسان فطرتاً صالح ہے اور صلاحیت پسند ہے، وہ اگر اپنی فطرت پر چھوڑ دیا جائے تو وہ سیدھے راستے کی طرف چلے۔ پہلے آپ ان حقائق کا شعور پیدا کریں۔ پہلے آپ ان حقائق کو پیدا کریں دماغ سے بھی اور دل سے بھی اور اس کے بعد ان حقائق کو ان کے سامنے پیش کریں، آپ امت دعوت ہیں، آپ امت رسالت ہیں۔ آپ بامقصد قوم ہیں، حامل پیغام قوم ہیں۔ آپ کھانے کمانے والا جانور نہیں ہیں کہ اپنا پیٹ بھرے اور اپنی نسل کو آگے بڑھائے۔

انسان کی دریافت کیجئے:

میں نے آپ کے سامنے اپنے دل کا ایک تاثر رکھ دیا میں نے امریکہ میں سب کچھ دیکھا لیکن انسان نہیں دیکھا انسان ملے تو آپ ہی لوگوں میں ملے۔ اس لئے نہیں کہ میں ان سے زیادہ ملا جلا نہیں میں نے ان کو ان کے لٹریچر میں دیکھا ہے۔ میں نے ان کو ان کی تقریروں میں دیکھا ہے۔ میں نے ان کو ان کے ٹی۔وی پر دیکھا ہے۔ میں نے ان کو ان کے ریڈیو پر دیکھا ہے۔ میں ان سے بیگانہ نہیں۔ لیکن وہ انسان جو خلیفۃ اللہ ہے۔ وہ انسان جس کے لئے ساری کائنات پیدا کی گئی ہے، وہ انسان جس کے سینہ میں وہ دل ہے جو ساری دنیا سے زیادہ قیمتی ہے۔ ساری دنیا کے خزانے ایک طرف سائنس کی ساری ترقیاں ایک طرف۔ اور وہ دل جو ایک صاحب دل کا دل ہے وہ دل اگر ایک طرف رکھا جائے تو ساری کائنات پوری کی پوری ہیچ ہے اس کے سامنے — وہ ہے انسان۔ اس انسان کی دریافت کیجئے، اس انسانیت کو اپنے اندر پیدا کیجئے تو آپ کا یہاں رہنا برحق ہے۔ آپ کا یہاں رہنا جائز ہی نہیں بلکہ عبادت ہے وہ ایک بڑی خدمت بڑی تبلیغ اور بہت بڑی سعادت ہے۔ اور اگر یہ نہیں تو بھائیو اور بہنو! سن لو۔ مجھے بہت ڈر ہے تمہارے متعلق اور میں نے کئی جگہ کہا۔ میری تقریر کا ماحصل یہ ہوتا تھا کہ اگر آپ نے اپنی دینی زندگی کا پورا انتظام نہیں کیا۔ اپنے بچوں اور بچیوں کے دینی تعلیم کا پورا انتظام نہیں کیا اور اپنے بچوں اور بچیوں کی جانب سے ایمان اور دین اسلام پر قائم رہنے کے سلسلہ میں اطمینان حاصل نہیں کیا تو آپ کا اس ملک میں رہنا معصیت ہے اور آپ ایک بہت بڑے خطرے سے دوچار ہیں۔ الذین توفہم الملئکۃ ظالمی انفسہم قالوا فیم کنتم قالوا کنا مستضعفین فی الارض قالوا الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتہاجروا فیہا۔ ہمیں ایسی ہی جگہ رہنا جائز ہے جہاں دین پوری خصوصیات کے ساتھ زندہ رہ سکے، جہاں فرائض ادا کرسکیں۔ اگر ماحول میں اس کی گنجائش نہیں یا ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اس ماحول میں اپنے دینی فرائض ادا نہیں کرسکیں گے تو ہمارا یہاں رہنا جائز نہیں اس لئے آپ کا فرض ہے کہ آپ اپنے مسلمان رہنے کا بھی انتظام کریں تاکہ پوری خصوصیات کے ساتھ یہاں رہیں اپنا ماحول یہاں بنائیں یہاں اپنا معاشرہ تیار کریں اور اپنے بعد اپنے بچوں کے لئے بھی یہ اطمینان حاصل کرلیں کہ اپنے بعد یہ مسلمان رہیں گے جیسا کہ حضرت یعقوب ؑ نے اپنی اولاد کے متعلق اطمینان حاصل کرلیا تھا۔ ام کنتم شہداء اذ حضر یعقوب الموت اذ قال لبنیہ ما تعبدون من بعدی، قالوا نعبد الٰہک والٰہ آبائک ابراہیم واسحٰق ویعقوب الخ حضرت یعقوب ؑ نے دنیا سے جانے سے پہلے اپنے بچوں کو، اپنے پوتوں کو جمع کیا اور کہا میرے جگر کے ٹکڑو! میرے پیارو! میں مرنے سے پہلے اطمینان حاصل کرنا چاہتا ہوں کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کروگے تو انہوں نے کہا قالو نعبد الٰہک والٰہ آبائک الخ۔ انہیں اطمینان حاصل ہوا تو اس دنیا سے اطمینان کے ساتھ رخصت ہوئے۔ یہ ہم سب کا فرض ہے کہ اپنے بچوں اور بچیوں کے متعلق یہ اطمینان حاصل کریں کہ وہ اسلام پر زندہ رہیں گے یا نہیں اور اگر اس کا اطمینان نہیں ہے تو دوستو اس میں نظر ثانی کی ضرورت ہے کہ آپ یہاں اس خطرہ کو مول لے کر رہیں یا نہ رہیں۔

آپ یہاں مسلمان کی حیثیت سے رہ سکتے ہیں:

میں بہت شکرگزار و معترف ہوں M.S.A. کی خدمات کا اور ان اداروں کی خدمات کا جن کا مجھے پورے طور سے علم نہیں اور ان افراد کی خدمات کا جو دین کے لئے کوشش کرتے ہیں، حلقے بناتے ہیں، لٹریچر پھیلاتے ہیں، لوگوں کو جمع کرتے ہیں، عرب ہوں یا غیر عرب وہ سب لوگ بڑے مبارک ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے عمل کو قبول فرمائے گا اور ان کے درجات بلند فرمائے گا۔ یہ سب سے ضروری بات ہے کہ آپ اس کی طرف سے پہلی ہی فرصت میں اطمینان حاصل کرلیں کہ آپ یہاں مسلمان کی حیثیت سے رہ سکتے ہیں یا گھل تو نہیں جائیں گے جیسے موم پگھل جاتا ہے نمک گھل جاتا ہے اس طرح آپ تہذیب کے تمازت کے سامنے پگھل ہو جائیں گے اگر ایسا ہے تو آپ جہاں سے آئے تھے وہاں جائیں چاہے آپ کو یہاں کا [illegible] حصہ یا اس کا بچا سوا حصہ ہی کیوں نہ ملے اور اگر نہیں ہے تو مبارک ہے آپ کا اس ملک میں رہنا ممکن ہے کہ آپ کے رہنے سے اس ملک میں ایک نئی روشنی آئے اور ایک نیا راستہ کھلے اور شاید آپ کے ذریعہ اسلام کا راستہ کھل جائے —

اعلان!

جو حضرات اپنے بچوں کو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ثانوی درجات میں تعلیم دلانا چاہتے ہیں وہ "دفتر ثانویہ، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے پوسٹ بکس ۹۳ لکھنؤ" سے شرائط داخلہ منگوالیں تاکہ اپنے بچہ کو اس کے مطابق تیار کراسکیں۔

اپنا پتہ بہت صاف لکھیں، ساتھ میں ۲۰ پیسے کے ٹکٹ بھی بھیجیں۔

محب اللہ
مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ماہِ رمضان

مثالی اجتماعیت کا علمبردار

سعید الاعظمی ندوی

اسلام ایک ایسے پاکیزہ اور سچے معاشرہ کا داعی ہے جو اعلیٰ اخلاقی بنیادوں پر قائم ہو، اسلامی تعلیمات میں جگہ جگہ اس پر زور دیا گیا ہے اور ان قدروں کو واضح کیا گیا ہے جن سے صحیح معاشرہ اور ایک پاکیزہ اجتماعیت وجود میں آئے۔ رمضان المبارک میں معاشرہ کا یہ پہلو بالکل کھل کر سامنے آجاتا ہے، اس مبارک مہینہ میں جہاں بندے اور خدا کے درمیان صحیح اور درست تعلق قائم کرنے والے اصول کی تعلیم دی گئی ہے، وہیں اجتماع کو بہتر بنانے والے بنیادی اصول کی طرف بھی رہنمائی کی گئی ہے۔

اس مہینہ میں ایک ہی احساس و شعور میں ہر مسلمان زندگی بسر کرتا ہے، خواہ وہ کسی درجہ کا انسان ہو، غریب ہو یا امیر، چھوٹا ہو یا بڑا، حاکم ہو یا رعیت، سب سے پہلا شعور جو اس ماہ مبارک کے شروع ہوتے ہی پیدا ہو جاتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ شخص اللہ کے حکم کے سامنے بالکل بے بس اور مجبور ہے اور اس کے حکم کی بجا آوری اپنا سب سے بڑی سعادت اور زندگی کی اصل کمائی تصور کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بہت سی چیزیں جو رمضان کے علاوہ دوسرے دنوں میں حلال اور پاکیزہ تھیں، رمضان آتے ہی ان پر پابندی لگ گئی اور دن کے کسی حصہ میں انکا استعمال کرنا یا برتنا گناہ کبیرہ بتایا گیا جس کا کفارہ بھی مشکل ہی سے ادا ہو سکتا ہے۔

یہ تو بندوں پر اللہ کا حق تھا، لیکن خود بندوں پر بندوں کا اور انسان پر انسان کا کیا حق ہے، تو فرمایا گیا کہ:

اذا کان یوم صوم احدکم فلا یرفث ولا یصخب فان سابہ احد او قاتلہ فلیقل انی امرؤ صائم۔

(جب تمہارے روزے کا دن ہو تو چاہیے کہ گناہ نہ سرزد ہو، اور نہ شور ہنگامہ برپا ہو، اگر کوئی شخص تمہیں گالی دے یا تم سے لڑنے مرنے پر اتر آئے تو تم کو بتا دینا چاہیے کہ بھئی میں روزہ سے ہوں)۔

غور کیجئے کہ شور کرنے سے روکا گیا، اس لئے کہ شور و ہنگامہ آرائی بھی روح صوم کے خلاف ہے، اسی طرح لڑنے جھگڑنے، فحش بات اور گالی بکنے پر بھی پابندی لگا دی گئی کہ اس سے آپس کے تعلقات پر اثر پڑتا ہے، شور کرنے سے دوسرے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے، گالی بکنے سے

گناہ کا ارتکاب کرنے سے آپس میں نفاق پیدا ہوتا ہے، دل کی صفائی اور اس کا خلوص متاثر ہوتا ہے اور بالآخر آپس میں اختلاف شروع ہو جاتا ہے، جو بلاشبہ اجتماعی روح کے سراسر منافی ہے۔

رمضان المبارک کا مہینہ ایک بہترین اور مثالی اسلامی معاشرہ قائم کرتا ہے وہ اللہ اور بندے کے حقوق و تعلقات پر اکتفا نہیں کرتا، بلکہ بندے کا بندے پر جو حق ہے ان سب پر پورا توجہ دیتا ہے اور بار بار اس کی تاکید کرتا ہے، ایک دوسری حدیث میں مذکور ہے کہ روزہ ڈھال ہے، یعنی ہر طرح کے گناہ اور فسق و فجور سے وہ انسان کو روکتا ہے اور اسکے سامنے آہنی دیوار بن کر کھڑا ہو جاتا ہے لیکن اس کے بعد یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ اس ڈھال کو صرف ایک چیز پھاڑ کر بیکار کر دیتی ہے، اور اس کے بعد پھر ہر قسم کا سیلاب اس پر سے گزر سکتا ہے، اور وہ ہے غیبت، یعنی کسی غائب شخص کے بارے میں کوئی ایسی بات کہنا جس کو سن کر وہ پسند نہ کرے۔

اب غور کیجئے کہ روزے کی ساری نیکیوں اور اس کی تمام برکتوں اور رحمتوں کو صرف ایک معمولی چیز ختم کر دیتی ہے جس کا تعلق صرف بندوں ہی سے ہے اور جو صحیح اجتماعیت اور صالح معاشرہ کو برپا کرنے کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے، چنانچہ جس معاشرہ میں یہ روگ جتنا ہی کم ہے وہ باوجود اپنی تمام خرابیوں اور خدا بیزاری کے زیادہ اعتبار سے ہمارے موجودہ اسلامی معاشرہ سے بہتر ہے۔ خواہ وہ اور دوسری حیثیتوں سے کتنا ہی منحوس اور برا کیوں نہ ہو۔

رمضان المبارک غم خواری، نیک سلوک، بہترین اخلاق کے مظاہرے اور آپس میں ایک دوسرے کی ہر اخلاقی مدد پر ترغیب دلانے کا مہینہ ہے، خاص طور پر اس کو "شہر المواساۃ" یعنی غم خواری اور نیک سلوک کا مہینہ قرار دیا گیا ہے، حدیثوں میں وارد ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس مہینے میں تیز ہوا سے بھی زیادہ سخی ہو جاتے تھے۔ بالخصوص غریبوں اور تنگدستوں کی مدد تو آپ اس طرح فرماتے تھے کہ ان کو اپنی تنگدستی اور غربت کا احساس تک نہیں ہونے پاتا تھا۔

ظاہر ہے کہ غمخواری، نیک سلوک، سخاوت، اور غریبوں کی مدد کا جذبہ جس معاشرہ میں جب بھی پایا جائے وہ ایک بہترین اور مثالی معاشرہ ہوگا۔ جس میں اجتماعیت کی شان پوری طرح نمایاں ہوگی اور ہر شخص ایک دوسرے کا خیر خواہ، اسکے لئے مخلص اور اس کا معاون ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اجتماعی شعور کو بیدار کرنے اور الفت و یگانگت، محبت و اخلاص کی فضا پیدا کرنے کے لئے بار بار توجہ دلائی ہے، ایک حدیث میں آپ نے روزہ دار کو افطار کرانے کی ترغیب دلاتے ہوئے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی روزہ دار کو افطار کرائے تو اس کو بھی اس کے روزے کے برابر ثواب ملتا ہے۔

اس کا مقصد بالکل واضح ہے کہ ان باتوں سے آپس میں تعلقات بہتر قائم ہوں گے، اور ہر طرح کی کشیدگی سے معاشرہ محفوظ رہے گا۔

اگر غور کیا جائے تو رمضان المبارک کا مہینہ دراصل سال بھر کی خرابیوں اور کمزوریوں کو دور کرنے اور قلب کے آئینہ کو صاف کرنے کے لئے آتا ہے، اور اسی وجہ سے وہ اپنے ساتھ ایک ایسا ذریعہ لاتا ہے جو انسانی تربیت کا بہترین علاج ہے اور شیطان و نفس کو ناکام بنانے کا بہترین ذریعہ ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ رمضان کا مہینہ ایک مثالی اجتماعیت کا علمبردار، اسلامی اخوت کا داعی اور اخلاص و محبت کا پیغامبر ہے، اس مہینہ میں اسلامی معاشرہ کو ہم آہنگی، یگانگت، اور وحدت و الفت کی جو نعمت عطا ہوتی ہے کیا خود ساختہ انسانی قانون میں یہ طاقت ہے کہ وہ اپنے معاشرہ کو یہ نعمت عطا کر سکے اور وہ اصلی انسانی اور اخلاقی قدروں کی بنیاد پر ایسا معاشرہ برپا کر سکے جو اسلام کے بتائے ہوئے اصول پر قائم شدہ معاشرہ کے کسی طرح بھی مساوی ہو۔

رمضان المبارک کا یہ عظیم پیغام دنیا کا ہر مسئلہ کا حل ہے۔ اور انسانی زندگی کی ہر گتھی اس پیغام کی روشنی میں سلجھائی جا سکتی ہے۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کیسے منائی

(عبد الباری)

عید الفطر کا مبارک تہوار ملت اسلامیہ کے لیے اللہ جل جلالہ کی احسان مندی اور شکر گزاری کا دن ہے جس نے اپنے حقیر و ناچیز بندوں کو حقیقی معنوں میں رمضان المبارک کے جملہ حقوق و فرائض سے عہدہ برآ ہونے کا موقع عطا فرمایا۔ یہ مقدس تہوار اہل اسلام کے لیے اخوت، محبت، مساوات اور یکجہتی کے روح پرور عملی مظاہرے کا دن ہے۔ یہ پاکیزہ تہوار روٹھے ہوئے کو منانے اور بچھڑے ہوئے کو ملانے کے لیے ہے۔ یہ مبارک دن غریبوں، یتیموں، بیواؤں اور ضرورت مندوں کی امداد کا دن ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عید کی مقدس و مبارک تقریب کے موقع پر مشفقانہ سلوک کا وہ عملی نمونہ پیش کیا جو ہم سب کے لیے مشعل راہ ہے۔

عید کا مقدس تہوار تھا۔ اہل مدینہ عید کی مسرتوں اور لذتوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ کھانوں سے فراغت پاکر زرق و برق لباس پہنے نماز عید کے لیے عید گاہ کی جانب رواں دواں تھے۔

نماز سے فارغ ہو کر اہل مدینہ عید گاہ سے گھروں کی جانب لوٹے اور رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید گاہ سے گھر کی جانب تشریف لائے تو آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اہل مدینہ کے ننھے ننھے بچے کھیلوں میں مصروف ہیں لیکن ایک بچہ سب سے الگ تھلگ بیٹھا ہے۔ اس کے کپڑے بوسیدہ ہیں، اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بچہ اہل مدینہ کے بچوں کے ساتھ عید کی خوشیوں میں شامل نہیں۔ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس بچے کے پاس تشریف لائے۔ اس کے سر پر دست شفقت پھیرا اور رونے کی وجہ پوچھی۔ وجہ دریافت کرنے پر بچہ اور زور سے رونے لگا۔ آپ نے فرمایا بیٹا کیا بات ہے؟ وہ کہنے لگا، میرے باپ نے خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کی اور وہ اس جنگ میں مارا گیا۔ آج عید کا دن ہے۔ مدینے کے تمام لوگ عید منا رہے ہیں۔ سب بچے اچھے اچھے کپڑے پہنے ہوئے ہیں اور اچھے اچھے کھانے کھا رہے ہیں۔ میرے لیے نہ تو اچھے کپڑے ہیں، نہ اچھے کھانے۔

اس یتیم بچے کی سرگزشت سننے کے بعد رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چشم اطہر میں آنسوؤں کے موتی چھلکنے لگے اور فرمایا: بیٹا! جب میں چھوٹا سا تھا تو میرے بھی ماں باپ نہیں تھے۔ یہ سن کر اس معصوم بچے نے سر اٹھا کر آپ کو دیکھا۔ آپ نے فرمایا کہ آؤ آج سے میں تمہارا باپ ہوں۔ آپ اسے گھر لے گئے اور اچھے کپڑے پہنائے اور اچھے کھانے کھلائے۔

جب وہ بچہ عمدہ کپڑے پہن کر گھر سے باہر نکلا تو دوسرے بچوں نے دیکھ کر پوچھا یہ کپڑے کہاں سے لائے ہو؟ وہ بولا اپنے ابا سے لایا ہوں۔ لڑکوں نے پوچھا تمہارے ابا کون ہیں۔ میرے ابا خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

قال تعالیٰ:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ

مولانا محمد منظور نعمانی

شب قدر اور اعتکاف

شب قدر کی عظمت اور اہمیت کا ذکر قرآن مجید میں بلکہ اس کی ایک پوری سورت میں بھی کیا گیا ہے اور اس طرح کیا گیا ہے کہ گویا اس کی عظمتیں ہمارے بیان بلکہ ہمارے فہم و ادراک کی حدود سے بھی باہر ہیں، یہ بیان فرمانے کے بعد کہ قرآن کو ہم نے شب قدر میں نازل کیا "انا انزلناہ فی لیلۃ القدر" ارشاد فرمایا گیا ہے "وما ادراک ما لیلۃ القدر" (تمہیں کیا پتہ لیلۃ القدر کیا ہے؟)

پھر فرمایا گیا ہے "لیلۃ القدر خیر من الف شھر" (شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے) پھر اُس کی برکات اور اسکی روحانی رونقوں کا ذکر اس طرح فرمایا گیا ہے:

"تنزل الملئکۃ والروح فیھا باذن ربھم من کل امر سلام ھی حتی مطلع الفجر"

(فرشتے اور روح (روح القدس حضرت جبرئیلؑ) اس رات میں اپنے مالک کے حکم سے تمام فیصلے لیکر اترتے ہیں سراسر سلامتی کی رات ہے، طلوع صبح صادق تک (برکتوں اور روحانی رونقوں کا یہ سلسلہ قائم رہتا ہے)۔

قرآن مجید کی اس سورۃ سے لیلۃ القدر کے متعلق چار باتیں صراحۃً معلوم ہوئیں۔ قرآن اسی رات میں نازل ہوا، یعنی نازل ہونا شروع ہوا۔

یہ رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے یعنی اس کی عبادت کا اجر و ثواب ہزار مہینے کی عبادت کے اجر و ثواب سے بھی زیادہ ہے۔ (او ما ھو مرادہ تعالیٰ)

اس میں ملٰئکہ کا بکثرت نزول ہوتا ہے۔

یہ سلامتی کی رات ہے، اور اس رات میں یہ ساری برکتیں اور رحمتیں صبح صادق تک رہتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نزول قرآن کے لئے مہینوں میں جس طرح رمضان کو منتخب کیا جو سب مہینوں سے اعلیٰ و اشرف اور سب سے زیادہ رحمتوں اور برکتوں والا ہے، اسی طرح اُس نے اس کے نزول کے واسطے راتوں میں سے شب قدر کا انتخاب کیا جو سال کی ساری راتوں میں افضل بلکہ بنص قرآن ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

"لیلۃ القدر" کی فضیلت و اہمیت کے بارہ میں قرآن مجید کے اس بیان کے علاوہ احادیث میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چند چیزیں مروی ہیں۔

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص شب قدر میں ایمان و احتساب کے ساتھ کھڑا ہو (یعنی اس رات میں نوافل پڑھے) تو اس کے پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "شب قدر" میں حضرت جبرئیل فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ اُترتے ہیں اور اللہ کے جو بندے کھڑے یا بیٹھے عبادت و ذکر الٰہی میں مشغول ہوتے ہیں اُن کے واسطے یہ سب فرشتے خیر و رحمت کی دعا کرتے ہیں۔

(بیہقی فی شعب الایمان۔ مشکوٰۃ)

(۳) امام مالک اپنی موطا میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اگلی امتوں کے لوگوں کی عمریں دکھلائی گئیں تو شاید آپ کو اپنی امت کی عمروں کو بہ نسبت ان کے کم دیکھ کر یہ خیال ہوا کہ میری امت کے لوگ عمل کے اس درجہ تک نہ پہونچ سکیں گے جس پر اگلی امتوں کے یہ لوگ پہنچے ہیں تو آپ کو شب قدر عطا فرمائی جو ہزار مہینوں سے بہتر و افضل ہے" (اور جس میں عبادت کرنے کا ثواب برسہا برس کی عبادت و اجر و ثواب کے برابر ہے)۔

لیلۃ القدر کی تعیین کے بارہ میں مختلف احادیث اور اقوال علماء کو پیش نظر رکھنے کے بعد یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے کہ حتمی طور پر اس کے لئے کوئی تاریخ مقرر نہیں ہے، ہاں عموماً یہ رات رمضان کے عشرہ اخیر کی راتوں میں اور علی الاغلب اس کی طاق راتوں میں ہوتی ہے۔ پس چاہیے کہ اس کی طمع و امید میں رمضان کی ہر رات میں بالخصوص اس کے عشرہ اخیرہ کی راتوں میں اور خاص کر عشرہ اخیرہ کی بھی طاق راتوں میں عبادت اور دعا کا ضرور اہتمام کیا جائے۔ جیسا کہ معلوم ہو چکا قرآن مجید میں بھی اس ایک رات کو ہزار مہینوں سے بہتر بتایا گیا ہے جس کا مطلب یہ سمجھا گیا ہے کہ اس کی عبادت کا درجہ اللہ کے یہاں ہزار مہینوں کی عبادت سے زیادہ ہے، اور ہزار مہینوں کو اگر جوڑا جائے تو ۸۳ برس ۴ مہینے کا زمانہ ہوتا ہے، گویا جس کو اس رات میں عبادت کرنا نصیب ہو جائے تو علاوہ دوسری خاص رحمتوں اور برکتوں کے ۸۳ برس ۴ مہینے کی عبادت کے اجر کا مستحق ہوتا ہے، نہیں بلکہ اس سے زیادہ کا کیونکہ قرآن مجید میں "لیلۃ القدر" کو ہزار مہینوں کے برابر نہیں بلکہ ان سے بہتر فرمایا گیا ہے۔ اور اللہ کی قدرت اور اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں۔ یفعل اللہ ما یشاء و یحکم ما یرید۔

ولیس علی اللہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی واحد

پس ایک مہینے رمضان کی ۲۹۔۳۰ راتیں ہی نہیں بلکہ پورے سال کی ساری راتوں کا کچھ حصہ بھی اگر آدمی اس خیال سے عبادت و دعا اور توجہ الی اللہ کے لئے وقف کیا کرے کہ ان میں کوئی رات ضرور ہی "لیلۃ القدر" ہو تو کوئی بڑی بات نہیں۔ ورنہ کم از کم رمضان کی اور خاص کر اس کے عشرہ اخیرہ کی راتوں میں تو ضرور ہی اس دولت کے حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

اعتکاف: رمضان مبارک کے خاص اعمال میں سے ایک اعتکاف بھی ہے۔

(۱) صحیحین (بخاری و مسلم) میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان مبارک کے آخری دس دن اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ وفات شریف تک برابر یہی آپ کا دستور رہا۔"

(۲) اور حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ ایک سال آپ رمضان میں اعتکاف نہیں کر سکے تھے تو اگلے سال آپ نے ۲۰ دن کا اعتکاف کیا۔ (ابوداؤد و ترمذی)

(۳) صحیحین میں حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے ثابت ہے کہ ایک دفعہ حضورؐ رمضان کے پہلے عشرہ میں معتکف ہوئے، پھر دوسرے میں بھی آپ اعتکاف ہی میں رہے اور پھر تیسرا عشرہ بھی اعتکاف میں گزارا اس طرح آپ نے اس سال گویا پورے رمضان کا اعتکاف کیا۔

اعتکاف کیا ہے؟ سب سے منقطع ہو کر اللہ کے در پہ اور اس سے لو لگا کے بیٹھ جانا، روح کی تربیت و ترقی اور نفسانی قوتوں پر اس کو غالب کرنے کے لئے پورے مہینے رمضان کے روزے تو تمام امت پر فرض کئے گئے گویا کہ اپنے باطن میں ملکوتیت کو غالب اور بہیمیت کو مغلوب کرنے کے لئے اتنا مجاہدہ، اور نفسانی خواہشات کی اتنی قربانی تو ہر مسلمان کے لئے لازم کر دی گئی کہ وہ سال کے اس محترم اور مقدس مہینہ میں اللہ کے حکم کی تعمیل اور اس کی عبادت کی نیت سے دن کو نہ کھائے، نہ پیئے، نہ بیوی سے متمتع ہو، نہ فضول باتیں کرے اور نہ فضول و بیہودہ کاموں میں کوئی حصہ لے، گویا پورا مہینہ ان پابندیوں کے ساتھ گزارے۔

معلوم ہو چکا ہے کہ رمضان مبارک اللہ کے نزدیک سب مہینوں سے افضل ہے اور بالخصوص اس کے یہ آخری دس دن اور دس راتیں رمضان کے بقیہ دنوں اور راتوں سے بھی افضل ہیں، انہیں میں قرآن نازل ہوا اور اکثر و بیشتر لیلۃ القدر بھی انہیں میں ہوتی ہے۔

غرض یہ پورا عشرہ اپنے انوار و برکات کے لحاظ سے سال کے بقیہ تمام دنوں میں ممتاز ہے، اللہ کا دریائے رحمت ان دنوں جوش میں ہوتا ہے اور لطف و کرم کی گھٹائیں عالم کو گھیر لیتی ہیں، ایک ایک رات میں برسوں کی منزلیں طے ہو جاتی ہیں، پس اللہ کے جو با توفیق بندے ان دنوں اور ان راتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرتے ہوئے اعتکاف کی شکل میں ہمہ تن اللہ کی طرف متوجہ ہو جائیں اور اس کے آستانہ کرم پر سر رکھ کر پڑ جائیں ان کی بہرہ مندی اور خوش نصیبی کا کیا کہنا ہے۔

وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اس مبارک مہینہ اور بالخصوص اس کے عشرہ اخیرہ کے انوار و برکات اور دریائے رحمت کے جوش و تلاطم کو گویا آنکھوں سے دیکھتے تھے اس لئے عادت شریفہ تھی کہ آپ کی عبادت اور مجاہدہ کی مقدار رمضان مبارک میں دوسرے مہینوں کے لحاظ سے بہت بڑھ جاتی تھی اور پھر اس کے آخری دس دنوں میں اور بھی زیادہ اضافہ ہو جاتا تھا۔

(۴) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں تمام دوسرے مہینوں سے زیادہ عبادت میں کوشش اور جد و جہد کرتے تھے اور اس کے آخری دس دنوں میں دوسرے تمام دنوں سے زیادہ۔ (مسلم)

(۵) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی کی ایک اور روایت میں ہے کہ رمضان کی آخری دس راتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری رات جاگتے تھے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے تھے اور کمر کس لیتے تھے (اور دعا اور عبادت وغیرہ میں) بہت جد و جہد کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

فی الحقیقت اعتکاف اگر شعور و احتساب کے ساتھ ہو تو آخرت کے بے حساب اجر و ثواب کے علاوہ تربیت روح اور تزکیہ لطائف کے لئے اکسیر و کیمیا کا نسخہ اور اللہ کے لطف و کرم کے خزانوں کی کلید ہے۔

الحکمؔ نسیم الصدیقی ایم۔ اے (عربی و انگریزی)

عربی زبان کی بعض کہاوتیں

دنیا کی تمام زبانوں میں کہاوتیں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ یہ کہاوتیں اس زبان کے بولنے والوں کی تہذیب و ثقافت کی آئینہ دار ہوتی ہیں عوام اپنی روزمرہ کی گفتگو میں ان کہاوتوں کا استعمال کر کے کسی ایسے گذرے ہوئے واقعہ یا حادثہ کی یاد تازہ کر دیتے ہیں جسکے وقوع پذیر ہونے پر کوئی خاص کہاوت وجود میں آئی تھی۔

دیگر زبانوں کی طرح عربی میں بھی کہاوتوں کا استعمال عام بول چال میں کیا جاتا ہے۔ ان عربی کہاوتوں کے وجود میں آنے اور ان سے متعلق دیگر معلومات کے سلسلہ میں جن محققین نے کام کیا ہے ان میں ابوالفضل احمد بن محمد المیدانی کا نام خصوصی طور پر قابل ذکر ہے۔ اس عالم نے کہاوتوں کی جانب خصوصی توجہ دی اور اپنی مشہور کتاب "مجمع الامثال" میں ۶۰۰۰ سے زیادہ کہاوتیں جمع کی ہیں ان میں سے ایک مشہور کہاوت یہ بھی ہے" جَوِّعْ کلبکَ یتبعکَ (اپنے کتے کو بھوکا رکھو وہ تمہاری اتباع کرے گا) اس کہاوت کے متعلق ایک دلچسپ کہانی مشہور ہے:۔

قدیم یمن میں بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ اپنی رعایا پر بڑے مظالم کیا کرتا تھا اور ان کی دولت خود ہڑپ لیتا تھا۔ ایک خیر اندیش درباری اس کو رعایا کے ساتھ نرم برتاؤ کرنے کی نصیحت کیا کرتے تھے لیکن وہ بادشاہ ان نصیحتوں پر کان نہیں دھرتا تھا پس وہ اپنی روش پر گامزن رہا حتی کہ اس کی بیوی بھی تا ئب کا اعلان کرنے لگی۔ تو اس نے نصیحت کرتے ہوئے اپنے شوہر سے کہا:۔

"مجھے رعایا کے غیظ و غضب سے خوف معلوم ہوتا ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ ہماری مطیع اور فرمانبردار رعایا ہمارے ظلموں کی وجہ سے بغاوت نہ کر دے۔"

لیکن بادشاہ نے اس کے جواب میں کہا ـــــ "کوئی برا نتیجہ ظاہر نہیں ہوگا جیسا کہ تم سوچ رہی ہو ـــ اپنے کتے کو بھوکا رکھو وہ تمہاری اتباع کرے گا ـــــ اور اس طرح یہ کہاوت وجود میں آئی۔

جب وہ بادشاہ اپنے ظلموں سے باز نہیں آیا تو رعایا نے اس کے بھائی کے ساتھ مل کر اس کے قتل کی سازش کی اور وہ قتل کر دیا گیا۔ بادشاہ کے قتل کے بعد ایک دانا شخص کا گذر اس طرف سے ہوا جو بادشاہ کے اس قول سے واقف تھا کہ "اپنے کتے کو بھوکا رکھو وہ تمہاری اتباع کرے گا" پس اس دانا نے کہا "ربما اکل الکلب مؤدبہ اذا لم ینل شبعہ (کتا اپنے مؤدب کو بھی پھاڑ سکتا ہے اگر اسے وافر مقدار میں کھانے کو نہ ملے) اور تبھی سے یہ کہاوت بھی عام بول چال میں استعمال کی جانے لگی۔

ان دو کہاوتوں کے بارے میں جاننے کے بعد اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کہاوتیں کس طرح بنتی ہیں۔

کوئی واقعہ ایسا ہوتا ہے یا کوئی سچویشن ایسی پیدا ہوتی ہے جس پر کوئی مختصر مگر چست بات کہی جاتی ہے جو اس واقعہ یا سچویشن کی مکمل ترجمانی کرتی ہے اور جو دوسروں کے لئے وجہ عبرت بن جاتی ہے پھر یہی مقولہ عام ہو کر کہاوت کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور اس طرح کی ہر سچویشن پر دہرایا جاتا ہے۔

درحقیقت کہاوتیں تجربہ کی پیداوار ہیں۔ یہ اپنے رواج دینے والے کی سوچ اور طرز زندگی کی ترجمانی اس طرح کرتی ہیں گویا کہ وہ آئینہ ہے جو لوگوں کی زندگی کے بعض لمحوں کا عکس پیش کرتا ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ کہاوت عوام کی آواز ہے۔ ہر قوم اور زبان کی اپنی کہاوتیں ہیں لیکن انسانی فطرت ایک ہونے کی وجہ سے یہ مختلف زبانوں کی کہاوتیں اکثر مشابہ ہوتی ہیں۔ ثبوت کے طور پر ذیل میں عربی اور انگریزی کی چند کہاوتیں پیش ہیں:۔

رُبَّ عَجَلَةٍ تهب ريثًا۔

More haste, less speed

مصائب قوم عند قوم فوائد۔

one man's meat is another man's poison.

الولدُ سِرُّ أبيهِ۔

Like Father like son.

انّ الطيورَ على اشكالها تقع۔

Birds of a feather flock together.

عربی میں کہاوتوں کے علاوہ کچھ ایسے مقولے بھی ہیں جو جنگ اور شجاعت سے متعلق ہیں۔ عرب ہمیشہ سے ایک جنگجو قوم رہی ہے۔ اسی لئے قبائل اپنے اپنے شاعر رکھتے تھے جن کا دیگر فرائض کے علاوہ یہ اہم بدل بھی ہوتا تھا کہ وہ دوران جنگ اپنے قبیلہ کے سپاہیوں کی ہمت افزائی کریں ان کو جوش دلائیں۔ عربی کے تقریباً تمام بڑے شعراء بالخصوص دور جاہلیت کے شعراء نے شجاعت اور بہادری کے کارنامے بیان کئے ہیں۔ ان میں سے چند اشعار اور اقوال ایسے ہیں جنہیں عربی ادب کا بیش قیمت سرمایہ سمجھا جاتا ہے۔ ذیل میں کچھ ایسے اقوال و اشعار پیش خدمت ہیں:۔

جب جنگ شروع ہو جاتی ہے تو کہا جاتا ہے" دارت رحی الحرب (جنگ کی چکی چلنا شروع ہو گئی ہے)

عرب یہ بھی کہتے ہیں:

الحرب غشوم لانها تنال غير الجاني

(جنگ بری چیز ہے کیونکہ اس سے ناوابستہ لوگوں کو نقصان پہونچتا ہے) دور جاہلیت کا ایک شاعر عنترہ بن شداد جو اپنی بہادری کی وجہ سے شداد کے نام سے مشہور تھا۔ اس کا قول ہے:۔

هَلاَّ سَأَلْتِ الخَيْلَ يَا ابنةَ مالكٍ
ان كنتِ جاهلةً بما لم تعلمي

(اے دختر مالک گھوڑوں سے پوچھو اگر تم اس بات سے لاعلم ہو جو تم نہیں جانتی)۔

يُخبِرْكِ مَن شَهِدَ الوقيعةَ أنّني
أغشى الوغى وأعِفُّ عند المغنمِ

(وہ جنھوں نے جنگ دیکھی ہے تمہیں بتائیں گے کہ میں لڑائی میں کود پڑتا تھا مگر شکار میں حصہ بٹانے کے واسطے واپس پلٹ پڑا)۔

کہا جاتا ہے کہ ایک بار عنترہ سے جنگ کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے کہا اولها شكوى واوسطها نجوى وآخرها بلوى۔ (یہ (جنگ) ایک شکایت سے شروع ہوتی ہے اس کا درمیانی حصہ خفیف بات چیت ہے اور خاتمہ بربادی)۔

ایک شاعر نے تلواروں کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے:۔

لها مع بصر الاعمى سناها
ويعمى دونها طرف البصير

(وہ (تلواریں) اتنی چمکدار ہیں کہ اندھا بھی اس کی چمک دیکھ سکتا ہے لیکن وہ ان لوگوں کی آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہیں جو دیکھ سکتے ہیں)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگ کے لئے نکلتے تھے تو کہا کرتے تھے "الحرب خدعة" (جنگ کی خصوصیت اس کی چالیں ہیں)۔

ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے اپنے صاحب زادہ حضرت حسنؓ سے کہا:۔ "لا تدعون احدا الى المبارزة، وان دُعيتَ اليها فاجب، فان الداعي اليها باغ والباغي مصروع" (کسی کو جنگ کے لئے نہ للکارو، اگر تمہیں للکارا جائے تو اس للکار کو قبول کر لو۔ للکارنے والا حملہ آور ہے اور حملہ آوروں کو دبانا فرض ہے)۔

عرب یہ بھی کہتے ہیں" الشجاعُ موقى والجبان مُلقى" (ایک بہادر آدمی کی حفاظت اس کی بہادری کرتی ہے لیکن بزدل کو مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے)۔

اس طرح یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عرب جنگجو ہونے کے ساتھ ہی ساتھ ادبی مذاق بھی رکھتے تھے اور اسی لئے دور جاہلیت میں اعلیٰ معیار کی شاعری کی گئی جس کا ثانی خود عربی ادب بھی پیش کرنے سے قاصر ہے۔ عربوں نے نہ صرف شاعری کے میدان اپنا لوہا منوایا ہے بلکہ ان کی روزمرہ کی زبان میں بھی ادبی رنگ پایا جاتا ہے۔

مراسلہ

ابوامام الدین رام نگری

اسلام کی کشش و جاذبیت

ایک تعلیمیافتہ آریہ سماجی نوجوان کے تاثرات و جذبات

اسلام اور مسلمانوں کو جو حالات درپیش ہیں ان کا اندازہ مجھے ملک کی آزادی کے وقت ہی ہو گیا تھا، اور اسی زمانے میں اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی تھی کہ ان حالات سے عہدہ برآ ہونے کی صورت یہ ہے کہ اہل وطن کو اسلام کے اوصاف و محاسن اور فضائل و برکات سے متعارف کیا جائے اور اسلام سے متعلق ان میں جو غلط فہمی و بدگمانی اور نفرت و بیزاری پھیلی ہوئی ہے اس کا ازالہ کیا جائے، اور ان کے دلوں میں اسلام کے لئے جذبات خیر پیدا کئے جائیں اس غرض سے میں نے ہندی میں اسلامی لٹریچر تیار کیا اور تحریک چلائی کہ مسلمان اس لٹریچر کو منگا کر اپنے غیر مسلم دوستوں اور ملنے جلنے والوں کو تحفۃً دیں اور مطالعہ کرائیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ طریقہ کارگر اور نتیجہ خیز ثابت ہو رہا ہے جو لوگ اس لٹریچر کا مطالعہ کرتے ہیں وہ اس سے متاثر ہوتے ہیں اور اس کے فضائل و محاسن کا اعتراف کرتے ہیں ربع صدی سے مجھے اس کا برابر تجربہ ہو رہا ہے اس کی تازہ مثال ایک تعلیمیافتہ آریہ سماجی نوجوان کے تاثرات و جذبات ہیں جو بی۔ اے کر چکا ہے اور مسلم یونیورسٹی علی گڈھ میں انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ ہندی میں لکھتا ہے:۔

علی گڈھ ۱۶ دسمبر سنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شری مان ابومحمد امام الدین صاحب، آداب!

میں نے آپ کی لکھی ہوئی ہندی میڈیم کی دو کتابیں پڑھیں جن سے بہت متاثر ہوا۔ میں ہندو قوم کا ایک فعال رکن ہوں۔ مجھے ہندو ہونے کا فخر ہے اور مذہب سے میں آریہ سماجی ہوں۔ اس کے باوجود مجھے اسلام سے بے حد لگاؤ ہے۔ میں اسلام کو کسی خاص قوم کا نہیں مانتا۔ آپ ہی کی طرح میں بھی مانتا ہوں کہ اسلام سارے انسانوں کا دین ہے۔ مجھے قرآن پاک پر پورا اعتماد و یقین ہے میں کلمۂ پاک لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر سب سے پہلے ایمان و یقین رکھتا ہوں۔ ایشور نے قرآن میں واضح کر دیا ہے کہ انہوں نے ہر قوم میں رسول بھیجے میرا یقین ہے کہ ایسا ہوا ہے، لیکن ہو سکتا ہے کہ غلط تعلیم اور عقیدہ کے سبب لوگوں نے سچائی سے ہٹ کر پیغمبروں کو پوجنا شروع کر دیا ہو۔

میں نے آپ کی لکھی ہوئی دو کتابیں "اسلام کا پریچے" اور "اسلام کا ایکیشور واد" پڑھیں جن سے مجھے اسلام کے متعلق صحیح علم حاصل ہوا۔ مجھے مسلمان علماء سے شکایت ہے کہ اتنے علماء کے ہوتے ہوئے کسی نے بھی یہ کوشش نہیں کی کہ مختلف زبانوں میں اسلام کا پیغام ساری انسانی قوم تک پہنچائیں اس کے لئے مختلف زبانوں خصوصاً ہندی زبان میں جو کوشش ہوئی برائے نام ہی ہوئی۔ اسلام کے خلاف جو غلط فہمیاں اور بدگمانیاں غیر مسلموں میں پھیلی ہوئی ہیں ان میں مسلمانوں کا بھی قصور ہے انہوں نے کبھی کوشش نہیں کی کہ اسلام کو لوگوں کی زبان میں سمجھائیں۔"

غیر مسلم نوجوان کا یہ شکوہ علمائے کرام کی غفلت و بے حسی پر ایک تازیانۂ عبرت و انتباہ ہے۔ آگے لکھتا ہے:۔

"میں آپ سے کہنا چاہوں گا کہ اللہ نے آپ کے قلم میں اثر انگیز طاقت دی ہے، آپ جو کچھ کر رہے ہیں اسلام کی راہ میں کر رہے ہیں اس لئے آپ اپنے قلم کو رکنے نہ دیں۔ جو دشواریاں پیش آتی ہیں ان کی فرض کے مقابلے میں پروا نہ کیجئے۔ انشاء اللہ آپ کو کامیابی ہوگی خود کو اکیلا نہ سمجھئے، میں بھی آپ کے ساتھ ہوں، اور اپنی جگہ اسلام کی خدمت کر رہا ہوں اور ایشور کی کرپا سے مجھے برابر کامیابی مل رہی ہے لیکن اس کے لئے مجھے بھی آپ کی مدد کی ضرورت ہوگی، ہم تک صحیح علم پہونچاتے رہئے میں اور میرے احباب آپ کے مقصد کو آگے بڑھائیں میں آپ سے تعاون کریں گے ....

یہ خط فل اسکیپ کے ۸ صفحوں کا ہے

میں نے اس خط کا جواب لکھا اور اس کے مطالعہ کے لئے اپنی کل کتابیں بھیجدیں۔ ۱۹ جنوری سنہ کو اس نے ۸ صفحوں کا خط لکھا اور بے طلب بھیجی ہوئی کتابوں کی قیمت بھی بھیجدی۔ اور لکھا کہ میں کوئی اور مدد نہیں کر سکتا تو کتابوں کی قیمت بھی ادا نہ کروں؟ کاش یہی جذبہ مسلمانوں میں پیدا ہو جاتا،

اسی خط میں لکھا ہے۔

"مجھے افسوس ہے کہ آپ کے جیسے ذی علم اور بے تعصب شخص سے بہا دیر میں متعارف ہوا میں کب سے آپ جیسے اہل علم کی تلاش میں بھٹکتا رہا، اسلام کے متعلق اپنے جو خیالات اپنے مسلم دوستوں اور تعلق والوں سے ظاہر کرتے تھے وہی آپ کو بتاتا ہوں کہ میں نے اسلام کو سچا اور مکمل دین پایا، میرا دل و دماغ جو کچھ قبول کرتا ہے وہ سب اسلام میں موجود ہے۔ یہی سبھی باتیں آریہ سماجوں سے کہیں تو انہوں نے کسی پسندیدگی کا اظہار نہیں کیا"

میں نے اسے لکھا کہ آریہ سماجی تم سے برہم نہیں ہوگئے؟ میرے لئے یہی حیرت کی بات ہے، وہ اسلام کے سخت مخالف ہیں۔ اس نے جواب میں لکھا کہ سب ہندو ایسے نہیں ہیں، بے تعصب ہندو بھی ہیں جو آریہ سماج کی روش کو پسند نہیں کرتے،

اس کے اس خلوص کو دیکھ کر میں نے لکھا کہ علی گڑھ کے غیر مسلم کتب فروش میری کتابوں کو فروخت کرنا منظور کر لیں تو کتابوں کے پھیلنے میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔ اس نے یہاں روپے بھیج کر کتابیں منگالیں اور ان کو کتب فروشوں کی دکانوں پر رکھیں۔

یہ ہے ایک تعلیمیافتہ آریہ سماجی نوجوان کی اسلام سے عقیدت، دلچسپی، خلوص و ایثار اور عملی سرگرمی، اگر غیر مسلموں سے اسلام کا تعارف کرایا جائے تو اسلام کو ایسے کتنے ہی عقیدتمند اور حامی و معاون مل سکتے ہیں، ایسے سازگار حالات میں بھی غیر مسلموں تک اسلام کو نہ پہنچانا اور اس کا تعارف نہ کرانا اسلام کی کتنی بڑی حق تلفی اور اس پر ظلم ہے،

میں ۲۵ سال سے یہ تحریک چلا رہا ہوں اور اب انتہی اور نوشتے کے درمیان عمر ہے۔ پوسٹ واشتہاروں کا انبار لگا چکا ہوں، تمام قومی جواب دے چکے ہیں پھر بھی اس تحریک میں جان کھپا رہا ہوں، لیکن مجھے نہ علماء کا تعاون ملا اور نہ اصحاب دولت و ثروت کا، بیدردی حیرت و حسرت سے دیکھتا ہوں کہ علمائے کرام اپنی تقریروں اور تحریروں میں بڑے فخر کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ اسلام ساری انسانیت کے لئے ہے اور غیر مسلموں کو اسلام سے متعارف کرانے پر زور بھی دیتے رہتے ہیں لیکن زبان و قلم پر میری تحریک کا ذکر بھی نہیں آنے دیتے اور نہ خود یہ کام کرتے ہیں محترم بزرگ نازش ہند حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے نہ صرف میرے کام کی اہمیت و ضرورت کا اعتراف فرمایا بلکہ مجلس تحقیق و نشریات اسلام کے پتے سے دس سیٹ منگوا لئے جس غیر مسلم نوجوان کا اوپر ذکر آیا ہے وہیں سے اس کو میری دو کتابیں ملی تھیں۔ حیرت تو تبلیغی جماعت پر ہے، اس کے دائرۂ تبلیغ میں غیر مسلموں کا کوئی مقام ہی نہیں ہے، گذشتہ سال میوات (گڑگاؤں) میں تبلیغی جماعت کا عظیم الشان سہ روزہ اجتماع ہوا، عام اندازے کے مطابق دو تین لاکھ مسلمانوں نے شرکت کی۔ میں نے روزنامہ قومی آواز میں اعلان کیا کہ اگر تبلیغی جماعت غیر مسلموں سے اسلام کا تعارف کرائے تو میں پانچسو روپے کا لٹریچر پیش کرنے کو تیار ہوں لیکن میری یہ پکار صحرا کی اذان ہو کر رہ گئی۔

ایمرجنسی کے سلسلے میں جماعت اسلامی کے کم و بیش انیس ہزار ارکان کے جیل جانے سے خیر ہی خیر کا ظہور ہوا ہے۔ ہر پارٹی اسلام سے متاثر ہوئی ہے اور بڑے پیمانوں پر مسلمانوں اور غیر مسلموں میں روابط و تعلقات پیدا ہو گئے ہیں اور اسلام کے تعارف کے لئے نہایت سازگار فضا تیار ہو گئی ہے یہ وقت ہے کہ علمائے کرام مسلمانوں میں اسلام کی اشاعت کا جذبہ پیدا کریں، اہل دولت و ثروت کتابیں منگا کر اسکولوں، کالجوں اور پبلک لائبریریوں کو اور اپنے غیر مسلم دوستوں کو دیں۔ عام مسلمان ایک سیٹ یا چند کتابیں منگا کر اپنے غیر مسلم پڑوسیوں اور ملنے جلنے والوں کو مطالعہ کرائیں کتابیں یہ ہیں:۔

(۱) پوتر قرآن ورگ درشن (قرآن کریم کا مکمل تعارف مع دلائل صداقت)۔ ۸ روپے۔

(۲) اسلام کا پریچے (۴ روپے)

(۳) اسلام کا ایکیشور واد (۴۰ پیسے)

(۴) اسلام کیا سکھاتا ہے؟ ۱/۲۵

(۵) جہاد اور جزیہ کی واستوکتا ۱/۰۰

(۶) مہا رشی دوت حضرت محمد صاحب کا جیون پریچے (سیرت مقدسہ) ۱/۶۰

(۷) مہا رشی دوت کا آدرش سداچار (نہایت اثر انگیز اسوۂ حسنہ) ۱/۵۰

(۸) وید وں کے انتم رشی قرآن کے محمد خاتم النبیین ۲/۵۰

کتابوں کی تعداد کے اعتبار سے ۲۵ سے ۳۳ فیصدی کمیشن اور کتب فروشوں کو ۴۰ فیصدی کمیشن دیا جائے گا۔

پتہ:۔ ابومحمد امام الدین مراسلاتی اسلامی مشن۔ پوسٹ رام نگر ــ وارانسی (یوپی)

An Interview with Maulana Nadvi

Maulana Syed Abul Hasan Nadvi is a well-known Islamic Scholar from India. He is author of about 50 books in Arabic and Urdu on subjects related to Islamic faith, literature and history and on problems confronting the Muslims in the present era. A number of his books have been translated into English, French, Russian, Turkish and a few other languages. The Maulana is the Head of the Darul Ulum Nadwatul Ulama, a well-known Islamic Institute, at Lucknow, India.

NEW YORK: Maulana Syed Abul Hasan Ali Nadvi, a renowned Islamic Scholar, from India has called upon the Muslims living in the American continent to imbibe the true spirit of Islam, shun their differences close their ranks and present a true model of Islam so that the people in the west may see and feel for themselves the "love and warmth of Islam" and be benefitted by it.

The Maulana who is on a short visit to the United States was happy to see such a large number of Muslims here having great consciousness and love for their religious duties. He, however, cauationed the Muslims that they had a great responsibility to see that a new form of religion did not develop here and that the message of Islam brought by various prophets and presented in its total and final form by Prophet Muhammad (peace be upon him) flourished in its true colour.

His impressions were recorded in a special interview here. The Maulana who is a founding member of the Rabitatual Alamil Islami (Muslim World League or Rabita in short) and continues to be its member has described Rabita as a "unique organization of its nature" which was doing extremely good work for the Muslim World and expressed the hope that it would not only continue to work but would be strenghthened and strongly supported.

The Maulana who visited the Rabita Office to the United Nations also expressed his satisfaction of the work that this office was doing in the service of Muslims and Islam.

Following is the English translation of his interview in Urdu: *(Editor)*

Question: This is your first visit to the United States. Will you be kind enough to let us know your impressions?

Answer: I have dual impression. This is my first visit to the United States. I had no idea that there would be so many Muslims here with uch a strong attachment to their relegion. I participated in the M.S.A. Convention. It was very well attended. I was very happy to see so many Muslims gathered there, meet together, eat and live together and, particularly, offer plrayers together. This was certainly very pleasing. But at the sa ~e time I became conscious of the fact that a new development is taking place in America. Life is very busy here. It moves fast like a machine. In these circumstances it is to be seen how the Muslims could keep their religious life intact. And how an atmosphere which is essential for Islam could prevail. To achieve this, observation of rules and laws alone is not sufficient. Indeed it requires a truly religious bent of mind and a deep love for and commitment to the religion. As I mentioned in my speech earlier today, Islam has got its own color and image which has been described by Allah Subhanahu wa Taala as 'Sibghatullah.'

Now we have to see how Muslims in this region would be able to overcome these difficulties (posed by western influences) and keep these qualities intact. This is a new experiment and nothing could be said at this moment about the outcome. This has enhanced the responsibility of the Islamic society, which is now being formed here that it may not create a new form of religion but continue to follow the real form of Islam which was brought by various prophets and towards which Prophet Muhammad (peace by upom him) finally invited the entire mankind. It is this religion of Islam which should pervade the lives of Muslims here.

The newly developing Islamic society in this continent, thus, has a great responsibility on its shoulders to practise and propagate this religion. I pray that Allah may help the Muslims here to fulfill this responsibility.

Question: You have met so many Islamic workers here. Do you have some advice for them? How should they proceed with Islamic work here?

Answer: The foremost thing is that those who are engaged in Islamic work should first give emphasis on their own training. They should try to acquire healthy Islamic atmosphere and company of the people who live Islam in their daily lives. Islam cannot be learnt by books alone, but it has to be lived under the life example of those who have acquired its true spirit. The workers of Islam should constantly check their own weaknessness and try to remove them. And, secondly instead of contesting and competing with each other--which is the biggest problem at here--they should try to face the real problem and try to overcome it. The real problem is how to overcome ill effects of materialism and a highly materialistic way of life. If you cannot overcome it you can at least save yourself form their ill effects. All those who are working in this direction should cooperate with each other. Instead of wasting their energy in creating differences among themselves; they should try to fight the common enemy.

Question: You might have observed that many persons are embracing Islam from among the idegenous people in North America. Could you kindly throw some light on their education and training?

Answer: The reply which I gave you for the previous question also applies to this question. You have to practise and protray an Islamic way of life and that relationship with them (new Muslims) should be such as may capture their esteem and confidence. They should see Islam in its true form and feel its softness and warmth, which is the sign of a living organism. They should feel that there is someone who really loves and cares for them. This work should not be motivated by political ambitions or acquiring a new political party alliance. The only motive should be their well-being and to help them understand Islam and receive its full benefit. This is the greatest work for the Muslims, and I am sure if this is followed properly these Muslims would be fully benefitted from the teachings of Islam, which is essential for them. This is our greatest responsibility and I am sure Allah will open new avenues if our intentions are correct.

Question: I would now like to ask a few questions about the Rabita since you are one of the founding members of jthe Rabita. Many people are keen to know about it in some detail. Could you kindly tell us its aims and objectives and what was expected of it at the time of its formation?

Answer: I have the honor of being its member from the very day it was formed. The RAbitatul Alamil Islami came into being in Mecca soon after the Haj (Dhul Hijja 1382-May 1962) while I was there, I was participating in the Committee meeting of Medina University, which had recently been established. It was at that time that the idea to establish the Rabita was conceived and invitations to prominent personalities were issued before Haj, for this purpose.

The first meeting for the formation of the Rabita took place soon after the Haj. And, Alhamdo Lillah, I continue to be its member right from that day. [In] my opinion this is the largest organization of the Islamic World which enjoys the membership of almost all the Muslim countries. There is no Muslim country which is not represented by a reputed scholar in this organization. In fact, there are more than one member from some of the countries. This is the largest united platform where representatives from the Islamic world express their views.

Today, Alhamdo Lillah, this has emerged into a well-established and a big organization which is taking keen interest in the problems of Muslims all over the world. It takes urgent notice of all their problems of religious, cultural and social nature and tries to render whatever help it can. It has given special attention to the continent of Africa which is of great importance and which, in fact, continued to be neglected for a long period of time. Rabita has rendered some very useful services to Muslims in African countries by providing proper lead and guidance to them and through the establishment of religious institutions there and distribution of useful literature. It has also helped them in contering certain problems which arise from time to time, such as in particular, the Quadiani movement; in this regard the Rabita has published useful literature and many delegations have also been sent there.

Three years ago, probably in 1973, Rabita sent delegations to almost all countries. Hardly any important country was left out. I also had the honor of heading one of these delegations which visited Afghanistan, Iran and Arab countries like Lebanon, Jordan, Iraq and Syria. If you read my travelogue "Daryae-Kabul se Darya-e-Yarmouk tak" (From the River Kabul to River Yarmouk) (in Urdu) or in Arabic "Min Nahre Kabul ela Nahre Yarmouk." You will come to know the useful work which the Rabita delegations have been doing and the work that the Rabita as a whole is doing. The delegation got itself acquaintaed with the organization, institutions and movements and gave its factual report to the Rabita. This proved very helpful to find out which of them were in need of assistance from the Rabita. I am sure some positive steps have been taken in this direction.

Besides this the gathering of well known ulama and leading Muslim personalities from all over the world every year in Mecca, which is the heart of the world of Islam, discussing problems facing the Islamic world countering various anti-Islamic forces that keep on coming up from time to time and guiding the Muslims through useful resolutions and advices is a work of no less significance.

I am of the opinion that Rabita is a unique organization of its nature and that it should not only continue to work but that it should be further strengthened and strongly supported.

Question: Invariably it is charged by its opponents that Saudi Arabia is using the Rabita as a tool for her own purposes. How far is it correct?

Answer: In fact right from the very beginning efforts were made not to let the Rabita become an official organ. It could have been very easily made an officially controlled organization. But efforts were made to keep it absolutely independent in its policies and action. It was felt that it will not be feasible to run the organization through contributions as such attempts in the past have already failed. It is not my intention to criticise anyone but the example of the United Nations could be quoted in this respect. Many countries have failed to honor their financial commitments toward the United Nations. The Rabita would have encountered similar difficulties or probably would have to face worse than that. Maybe we would have to close the organization within a couple of years. In this regard the Government of Saudi Arabia deserves not only our thanks but that of Muslims from all over the world for giving financial assistance for running this organization and certainly cannot be subjected to any kind of criticism. I remember that whenever we took the resolutions adopted by the Rabita to the late King Faisal, he always reminded us that Rabita was fully independent and had a right to adopt any resolution it wanted to and that he himself had no right to interfere in its working. Sometimes, he used to give us his advice and guide us and we used to benefit from his guidance and advice. But he always gave us the impression that Rabita is absolutely independent and enjoys full freedom. It was not required to present the resolutions adopted by it for approval. However, like a Muslim leader and well wisher of Islam he always used to exchange views and present his point of view before us. But he never tried to interfere with our work or imposed his opinions on us. The late King always had this attitude and the present king also continues to have the same attitude. Rabita is an independent organization which is, to a great extent, supported financially by the Government of Saudi Arabia so that it (Rabita) does not remain dependent on petty contributions. But the Saudi Arabian Government has not done this to use the organization for her own purposes. On the other hand, she had a noble motive behind it which is that the organization could remain free from finanical worries and that the mission it has before it may not suffer for want of funds.

Question: You have visited and seen the Rabita office working here. What is your opinion about it and what is you advice to it? What kind of role it can play here?

Answer: I knew that the Rabita had been granted some kind of a consultative status in the United Nations and that it had established an office here in New York. But frankly speaking, I had no idea that its offices had been so well-organized and with several departments which are functioning so methodically and efficiently right in the midst of the United Nations. I had the opportunity to visit the office yesterday and see for myself the work that is being don here. I was extremely pleased to see their activities and have absolutely no hesitation in accepting the fact that the work that is being done here, right in the United Nations, is not an ordinary job or accomplishment. It is gratifying that the Rabita has been given this status and recognition to establish its office here. The existence of this office right in New York at the headquarters of the United Nations, with arrangements for prayers and interst in the welfare of Muslims, provides an excellent oppoartunity to convey the voice of Musims to the United Nations and to the represtatives of various countries. Rabita is probably the first Islamic organization which has had this recognition and opportunity. I am sure that this is good not only for Rabita but is extremely useful for all the Muslims. *The New York Crescent*

MAULANA NADWI ADVISES ON
THE PRE-REQUISITS OF LIVING IN THE WEST

Maulana Abul Hasam Ali Nadwi urged Muslims to think twice about living in the Western World, if they have not assured themselves that their coming generations will maintain and uphold the Islamic heritage, and will not get dissolved in the declining civilization of the West.

Maulana was speaking here in Chicago on June 18 to a gathering of about 1000 Muslims. Chicago was the last stop of his North American tour, and he treated the Muslims here with his impressions of the tour and what he saw in America. He said he could talk about the technological advancements of this country, the buildings, the decorations, the glitterings and the human conquest of the materials, but would rather talk about the human insensitivity that he saw, and the decline in morals and civilization that he witnessed. In an eloquent Urdu language he asked where in the West are those who feel in their hearts the miseries and sufferings of others; where are those who can feel the satisfaction and joy by sharing their food with the hungry; where are those who can taste victory in defeat and where are those who adopt, as their destiny, the liberation of the total humanity, and not just self, from the miseries, oppression, hunger and ignorance. He characterized the West as the human jungle where it is hard to find a human being.

He observed that it was very unfortunate that Christianity had to be the religion of the West, which places the heavy burden of sinfulness by birth on man's shoulders, and thus inhibits the development of human faculties and progress. Impatient as they were to discover new horizons of knowledge and progress, the people shun religion, and made great technological advances. But as a result, they lost moral codes and ethics for guidance. They conquered the materials, and even gave life to them, but invariably became slaves to their own creations, the machines. All the energies were spent on material development and very little on humanitarian progress. If he found humans here, Maulana said, he found them amongst the Muslim communities.

LOVE ALLAH MORE THAN YOUR ORGANIZATION
MOULANA NADWI'S ADVICE

Moulana Abul Hasan Ali Nadwi spoke to our correspondent in New York. He said that unless a person has love of their aim, they will experience disintegration and conflict. Whenever there is a purpose the individuals and groups work together to achieve it. At present the Moulana said he does not find any love in the Muslim individuals and organizations with their aim i.e. love for Allah and progress of the Muslim nation. No doubt the Muslim organizations have love for their organization but not for Allah. In such cases the organization comes first and work for Allah becomes secondary. Moulana further said that at present, in the whole muslim world there is no strong leadership. Unless the Muslims have strong and effective leadership, they can not get to-gether and they will be victims of conspiracies of different powers, who are trying to keep the Muslims disintegrated.

Moulana said that in India, Rabita can not do any thing to unite the Muslims or Muslim organizations as Rabita did in other places. He said in India the situation is quite different from most of the places. He pointed out that any effort from a foreign body will complicate the situation.

While speaking about Rabita, he further said that Rabita concentrates mainly on religious and social matters but whenever it becomes necessary Rabita plays an important role in political affairs too. The reason is in Islam religion and politics are not considered two separate things.

While expressing his impressions of his visit to United States, Moulana said that he is very much impressed by the work being done by the Muslim individuals and organizations for the cause of Allah. It is surprising that in a materialistic country the Muslims are very much interested in Islamic work.

Lastly, Moulana said that the Muslims should take care of their children and they must train them in the Islamic way. If they can not do it, specially the immigrant muslims then there is no use in staying in the United States. Because your money or your education in the United States will not be of any help to you in the hereafter.

Maulana Abul Hassan Ali Nadvi Visits North America
M.S.A. Chapters Host Lecture Programs

In his recent visit to the United States at the invitation of the M.S.A. of U.S. and Canada, Maulana Abul Hasan Ali Nadvi addressed a number of Muslim gatherings in several cities of the two countries. His very name and reputation as an Islamic scholar precluded any need to urge Muslims to benefit by his presence in this part of the world. All those who value scholarship and knew where he was speaking found their way into his presence, to listen to him and to cherish the memory of having done so.

After his address at the 15th Annual Convention of the M.S.A., the learned Maulana visited New York where both he and Br. Khurshid Ahmad addressed a handsome gathering of Muslims at the Teachers' College, Columbia University in New York City. The Maulana's next stop was at Cambridge, Mass. where he met many students and spoke to them on the need of strengthening the Islamic movement in the country. He then visited Montreal and Toronto in Canada addressing increasingly larger gatherings. All these meetings were organized under the auspices of the M.S.A.

Moving on to the West Coast, the Maulana addressed about 400 Muslims in Los Angeles on June 12 at a meeting organized by M.S.A. In his address he said that the United States is, at the same time both a fortunate and an unfortunate country. It is fortunate for it is blessed by Allah with abundant material resources and technological progress which has made it one of the most advanced countries in the world. It is unfortunate because the present state of religion in the country does not offer high moral and spiritual values to its devotees. He recalled that other western countries began their course of progress only after they had ignored or repudiated traditional Christianity. By contrast, Muslim countries reached the crest of their success when they adhered strictly to Islam and declined when they ceased to do so. If the people of North America were to adopt Islam as their religion, the world could be transformed into a better place to live in.

In a separate address to Muslim women, the Maulana advised them to see that their children came to love Islam and its Prophet (pbuh) to such a degree that when they grew up they would prefer leading a true Islamic life even if it meant hardship rather than an easy but un-Islamic life.

On June 13, he addressed Muslim women in Newark, California and in the evening of the same day he gave a lecture at the San Francisco Islamic Center.

Retracing his steps, Maulana Abul Hasan Ali Nadvi visited Chicago where he addressed an Arab group, an Urdu-speaking group and a group of sisters in the city. He concluded the formal part of his visit to the States when he returned to New York City.

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے دورہ امریکہ کی چند جھلکیاں امریکی پریس میں

Nadvi's advice to US Muslims

Maulana Syed Abul Hasan Ali Nadvi, renowned Islamic scholar has called upon Muslims living in the American continent to try to imbibe the true spirit of Islam, shun their differences, close their ranks and present a true model of their faith and culture so that the people in the continent may be able to appreciate the blessings of Islam for mankind. Maulana Nadvi who was on a visit to the US made these observations while visiting the New York office of the Muslim World League. Maulana Nadvi also participated in the fifteenth Annual Convention of the Muslim Student Association of US and Canada and said he was greatly impressed by the degree of strong attachment to Islam shown by a much larger body of people. Yet, he said, this is no occasion for being complacent. Those who are engaged in Islamic work should also concentrate on their own training and self-preparation. It is through knowledge and experience that they can fulfil their obligations to their own selves as well as to the society at large.

● Maulana Nadvi underwent an eye surgery in Philadelphia early this month and was reported to be satisfactory.

IMPACT INTERNATIONAL
22 JULY—11 AUGUST 1977

(سلسلے کے لئے دیکھئے شمارہ ۲۵ جولائی ـــــ "جرأت آموز مری تاب سخن ہے مجھ کو")

قرآن مجید اور تعلیماتِ نبویؐ سے انحراف کے ہولناک نتائج

(سعید احمد ایم۔اے)

★

تاریخ عالم اس زمانے کو کبھی نہیں بھولے گی جب کہ قرونِ وسطیٰ میں عیسائی قومیں مغرب سے مسلمانوں کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کے لئے آندھی و طوفان کی طرح دنیائے اسلام کی طرف جھپٹی تھیں اور اسی طرح بیسویں صدی کے اوائل اور وسط میں مسلمانوں کو ان کے عقائد کی خاطر روس و چین کے علاقوں میں ظلم اور ستم کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ قربانیوں و مصائب و آلام کے یہ مختصر عنوانات ہیں جن کو پڑھنے اور غور کرنے کے بعد دل بھر آتا ہے اگر مسلمان صرف ایک واقعۂ کربلا یا شہادت حمزہؓ و عثمانؓ پر اشک بہائیں گے تو زبانِ حال سے وہ اس بات کے مدعی ہوں گے کہ مسلمانوں کی تاریخ میں قربانیوں کی تعداد بہت محدود ہے جب کہ اس تاریخ میں ان گنت واقعات ایسے ہیں جن کو پڑھنے کے بعد آج بھی زہرہ آب آب ہو جاتا ہے تاہم ایک زندہ اور متحرک قوم ماضی پر آنسو بہانے کے بجائے حال و مستقبل کو سنوارنے کے لئے ماضی کے واقعات سے سبق حاصل کرتی ہے اسی کو ہم حیاتِ مستمر کا نام دیتے ہیں۔

اس کے علاوہ اسلام میں موت و زندگی پر آنسو بہانے اور خوشی منانے کو جزو مذہب قرار دے کر تفوق اور برتری کا معیار نہیں بنایا ہے، بلکہ اس کے نزدیک تفوق اور برتری کا معیار بلند کردار یعنی اعمالِ صالحہ ہیں۔ ہر عمل میں اعتدال کی پُرزور حمایت کی گئی ہے اور ان افکار و اعمال سے مکمل طور پر اپنے متبعین کو روکا ہے جن سے اسلام کے بنیادی عقائد۔ توحید، رسالت و آخرت پامال ہوتے ہوں اور اس دستور کی نفی ہوتی ہو جو قرآن کی شکل میں ہمارے درمیان موجود ہے۔

کسی جماعت یا ملک کے نظم و نسق اور کارکنانِ جماعت و باشندگانِ ملک کے درمیان فکری و عملی ہم آہنگی کو برقرار رکھنے کے لئے ایک دستور یا لائحہ عمل کی ضرورت ہوتی ہے، تاکہ کارکنانِ جماعت و باشندگانِ ملک اپنے ذوقی و فطری اختلافات کے باوجود جذباتی طور پر ایک دوسرے سے ہم آہنگ رہیں اور فکر و عمل میں ان کے درمیان جتنی یکسانیت رہے گی اس کا نتیجہ [illegible] ہے بلکہ ملک اور قوم شاہراہِ ترقی پر کسی مشینی انداز میں بلا روک ٹوک رواں دواں نظر آتے ہیں لیکن ان میں کچھ ایسے خود غرض افراد بھی ہوتے ہیں جن کے سیاہ ارادوں کے لئے یہ دستوری مرکزیت سم قاتل ثابت ہوتی ہے۔

خدا نے مسلمانوں کو ایک دستورِ حیات یا لائحہ عمل قرآن کی شکل میں ودیعت فرمایا تھا، تاکہ مسلمان خواہ عجمی ہو یا عربی خواہ وہ مغرب کا ہو یا مشرق کا اس قرآنی دستور کو اپنا کر ایک دوسرے سے فکری و عملی طور پر ہم آہنگ رہے بلاشبہ قرآن مجید کو ہم دنیا کا پہلا جدید ترین تحریری دستور العمل کہہ سکتے ہیں جس نے مخلوق پرستی سے انکار کر کے خدائے واحد کی حاکمیت کا اعلان کیا اور متبعین کے لئے بنیادی حقوق اور فرائض (Fundamental Rights — and duties) اور اوامر و نواہی" وضع کئے تاکہ ان میں سماجی نظم و نسق، ذہنی توازن اور جذباتی ہم آہنگی برقرار رہے اس دستور نے نہ صرف اپنے ہی متبعین کو خطاب کیا ہے بلکہ اس کا روئے سخن دنیا کے تمام انسانوں کی طرف ہے۔

جب تک کہ مسلمانوں میں قرآن کی مرکزیت کو تسلیم کیا جاتا رہا سطوت و جہانبانی ان کے قدم چومتی رہی لیکن جب ان کا عقیدہ قرآنی تعلیمات کے تئیں کمزور پڑنے لگا تو دنیا نے اس مقتدر قوم کے شیرازے کو مانند خس و خاشاک بکھرتے ہوئے بھی دیکھا۔

طلوع اسلام کے وقت مسلمانوں کو صرف خارجی دشمنوں یہودی، عیسائی اور دوسرے غیر مسلموں سے خطرات لاحق تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اور خلافت راشدہ کے ابتدائی برسوں تک مسلمان ان خارجی دشمنوں سے مقابلہ کرتے رہے اور آخر کار اسلام کے مخالفین کے عزائم کو مسلمانوں نے متحد ہو کر ناکام بنا دیا۔ جب دشمن شکست کھا گئے تو ان کے اندر احساسِ شکست روز بروز بڑھتا گیا اور انتقام کی آگ ان کے سینے میں بھڑکنے لگی چونکہ بزورِ قوت وہ مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے میں ناکام ہو چکے تھے لہٰذا انہوں نے مسلمانوں کی شکل و صورت بنا کر مسلم معاشرے میں نفوذ کرنا شروع کر دیا۔ ان خارجی دشمنوں کو قطعی اندازہ ہو چکا تھا کہ مسلمانوں کے مقابلے میں ان کی شکست کا سب سے بڑا سبب مسلمانوں کا مضبوط فکری و علمی اتحاد ہے جس کا سرچشمہ قرآن اور سنت ہے چنانچہ انہوں نے مسلمانوں میں مذہب اور عقیدے کی بنیاد والے ایسے افکار و آراء کی تبلیغ شروع کر دی جس سے قرآن اور حدیث کی مرکزیت کمزور ہونے لگی۔ اگرچہ علمائے حق مسلمانوں کے اتحاد کو کتاب و سنت کی بنیاد پر جملہ اختلافات کے مقابل بنیان مرصوص بنا دیتے تھے دشمنوں کے ارادے کو بھانپ گئے اور ان کے خلاف صف آرا بھی ہوئے تاہم دشمن اپنے ارادوں میں کافی حد تک کامیاب ہو چکے تھے سادہ لوح مسلم عوام سہواً، عمداً، دامے، درمے، قدمے، سخنے ان کی حمایت کرنے لگے جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ ان تمام حالات کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کا دورِ اقتدار ختم ہو گیا وحدت فکر و عمل ریزہ ریزہ ہو گئی، اور اسلامی اقدار اور اخوت اور بھائی چارے کا ماحول سرد پڑ گیا۔ نظریاتی اختلافات مذہب کی صورت اختیار کرنے لگے، مناظروں، مناقشوں کے بازار گرم ہونے لگے اور اسلام کا بنیادی مقصد ذہنوں سے محو ہونے لگا کوئی شیعہ ہو گیا کوئی سنی ہو گیا کوئی خارجی ہو گیا کوئی قادیانی ہو گیا کوئی وہابی ہو گیا، تو کوئی بدعتی، کوئی اہلِ حدیث ہو گیا کوئی اہلِ قرآن ہو گیا افسوس یہ کہ مسلمان کوئی نہ رہا اگر چہ بزعم خود سب مسلمان ہیں ؎

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو؟

قرآن نے جن عقائد و نظریات کا اعلان کیا ہے ان کے قبول کرنے والے کو مسلمان کہا جاتا ہے لہٰذا وہ افکار و اعمال جو قرآنی تعلیمات کے منافی ہیں اسلام نے ان کے قبول کرنے کی قطعاً اجازت نہیں دی ہے آج بھی قرآن مجید موجود ہے جس کو سننے اور سمجھنے کے بعد نہ صرف اہلِ عرب بلکہ دنیا کی دیگر اقوام دائرۂ اسلام میں داخل ہوئی تھیں اور قرآنی عقائد نے ان کے شکوک و شبہات ان کی نفسیاتی بے چینی کو زائل کر کے ان کی زندگیوں کو نئی آب و تاب بخشی تھی۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ہم ہندوستانی مسلمان اسلام سے وابستگی کا اعلان تو ضرور کرتے ہیں لیکن مذہب کے سلسلے میں زبردست اختلافات اور ذہنی انتشار کا شکار ہیں ہم ہندوستان کے مسلمان معمولی معمولی اختلافات کو مذہبی رنگ دے کر اپنی جڑوں کو خود کھوکھلا کرنے میں مصروف ہیں کہیں پر شیعہ سنی اختلافات ہم کو گھن کی طرح کھائے جا رہے ہیں تو کہیں وہابی اور غیر وہابی کے مناظرے ہمارے قومی استحکام کو دیمک کی طرح چاٹے جا رہے ہیں اس کی بنیادی وجہ صرف خود غرضی اور قرآنی تعلیمات سے ہمارا انحراف ہے۔ قرآن مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے لئے سائیکل کے اس دھرے کی طرح ہے جس کے سہارے سائیکل کا پہیہ گردش کرتا ہے اور میلوں کا سفر آدمی منٹوں میں طے کر لیتا ہے آج ہم اس دھرے سے علیحدہ ہو چکے ہیں جس کا اثر یہ ہے کہ اقوامِ عالم آسمان کی بلندیوں کو چھو رہی ہیں اور ہم زندگی کے ہر میدان میں مضمحل اور سست رفتار واقع ہوئے ہیں۔ ہم کو راشٹریہ سیوک سنگھ کے صدر بالا صاحب دیورس کے اس بیان سے سبق لینا چاہئے جس میں انہوں نے اپنی اس بات کو دہرایا ہے کہ راشٹریہ سنگھ کا بنیادی مقصد ہندوستان میں ہندوؤں کو منظم اور طاقتور بنانا ہے تنظیم بہرحال کسی قوم کو باوقار زندگی دینے کے لئے بنیادی اصول ہے لہٰذا بالا صاحب کے ان جذبات کی قدر کرتے ہوئے ہم ہندوستانی مسلمانوں کو بھی اپنے کو منظم کرنے کے لئے کمربستہ ہو جانا چاہئے لیکن کمزور و نہتے انسانوں پر طاقت کا استعمال کر کے یا تیر و تفنگ برسا کر نہیں بلکہ اسلام کے پیش کردہ انسانی اخوت کے تاریخ ساز اصولوں کو اپنا کر

مسلمانوں میں اتحاد اور تعمیر نو کا یہ خواب اس وقت تک شرمندۂ حقیقت نہیں ہو سکتا ہے جب تک کہ مسلمان اپنے کو فکراً و عملاً قرآنی تعلیمات اور سنت نبوی سے وابستہ نہ کر لیں۔

اگرچہ اس حقیقت سے انکار نہیں ہے کہ دوسرے مذاہب کے مقدس گرنتھوں اور پوتر پستکوں کی طرح مسلمانوں میں قرآن کو پوتر سمجھنے کا رجحان تو ضرور عام ہے اور وقتاً فوقتاً اس کا اظہار بھی ہوتا ہے مثلاً موت و زندگی، شادی بیاہ، کسی کاروبار کے آغاز پر یا مکان کی تعمیر کے اختتام پر فال دیکھنے کے لئے الماری سے نکال کر گرد وغیرہ جھاڑ کر لوگوں کے ہاتھوں میں تھما دیا جاتا ہے تاہم اپنے جملہ اختلافات کو حل کرنے کے لئے قرآن مجید کو مکمل ضابطۂ حیات اور لائحہ عمل سمجھنے کا عقیدہ مسلمانوں میں روز بروز کمزور ہوتا جا رہا ہے جس کی وجہ سے ان کے اندر ایک بے حسی گراوٹ [illegible]

قرآن مسلمانوں کو بار بار اتحاد و اتفاق کی تلقین کرتا ہے اور سماج میں فتنہ و فساد پھیلانے سے روکتا ہے ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے، "اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو رسول کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو امیر ہو اس کی اطاعت کرو، اگر کسی معاملے میں تم میں کوئی تنازعہ ہو جائے تو اس کے حل کے سلسلے میں اللہ اور اس کے رسول سے رجوع کرو یعنی قرآن اور سنت سے مدد لو اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر یقین رکھتے ہو کیونکہ تمام تنازعات سے نمٹنے کا یہی بہترین طریقہ ہے۔" (سورہ نساء پارہ ۵)

ایک جگہ فرمایا گیا ہے کہ "اللہ کی رسی کو تم لوگ مضبوطی سے پکڑ لو اور فرقہ بندی مت کرو۔"

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے، "اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح مت بنو جو اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دیکھنے کے بعد بھی اختلافات اور فرقہ واریت پیدا کرتے ہیں" اس طرح ایک جگہ اور ارشاد ہوتا ہے "اے ایمان والو! آپس میں جھگڑے مت کرو اگر تم جھگڑے کو اپنے اندر قائم رکھو گے تو تم ناکام ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔"

فتنہ و فساد پھیلانے کے سلسلے میں قرآن کی یہ آیت اگرچہ نہایت مختصر ہے لیکن پُرمعنی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ "عوام میں فتنہ و فساد پھیلانا نتائج کے اعتبار سے انسانی قتل سے کہیں زیادہ سخت ہے۔" (بقرہ پ ۲)

یہ ارشادات اسی قرآن کریم کے ہیں جن کو اپنانے کے بعد ایک ایسی قوم صفحۂ ارض پر ابھری تھی جس نے بہت جلد تاریخ کے دھارے کو موڑ کر انسانی تہذیب کے جملہ شعبوں میں ایک عظیم انقلاب برپا کر دیا۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ اختلافات قومی و معاشرتی استحکام کے لئے زبردست خطرہ ہوتے ہیں لیکن اختلافات کی موجودگی بجائے خود حق کی موجودگی کی دلیل ہے۔ مسلمانوں میں اختلافات ناپنے تولنے کا آلہ قرآن مجید اور اس کے بعد سنت نبوی ہے۔ اگر اختلافات کم علمی کی بنا پر ہوں تو عوام میں علم کی ترویج و اشاعت کے ذریعہ ان کی شدت کو کم کیا جا سکتا ہے اور ان کے تناسب کو گھٹایا جا سکتا ہے لیکن اگر اختلافات بوجہ ہٹ دھرمی ہیں تو ان کا نتیجہ سوائے سب و شتم کشت و خون کے کچھ نہیں جس کا مظاہرہ لکھنؤ میں برابر ہوتا رہتا ہے اگر فریقین مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور وہ اختلافات کو کم کرنے میں واقعی سنجیدہ بھی ہیں تو ان کو چاہئے کہ وہ دینی امور خاص طور سے عقائد کے سلسلے میں افراط و تفریط اتباعِ نفس اور شخصیت پرستی سے بالاتر ہو کر قرآن مجید کو حکم اور معیارِ حق و صداقت بنائیں جس کی تنظیم و حکمت دنیا کے تمام مسلمانوں کے لئے فرض کا درجہ رکھتی ہے اس عمل سے ان اختلافات کا دور ہو جانا اتنا ہی یقینی ہے جتنا کہ پانی میں نمک کا گھل جانا۔

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ مسلمان دنیا کے ہر حصے میں خواہ حاکم ہوں یا محکوم سخت اختلافات و خطرات کا شکار ہیں۔ مخالفین کی پوری کوشش یہ ہے کہ اختلافات و خطرات روز بروز بڑھتے رہیں تاکہ دنیائے اسلام پر اتحاد و اتفاق کا ماحول طاری نہ ہو ورنہ مخالفین کے عزائم و مفادات کو سخت نقصان پہونچے گا چنانچہ کہیں مسلمان یہودیوں سے نبرد آزما ہیں تو کہیں وہ اپنے داخلی دشمنوں سے برسرِ پیکار ہیں۔ قومی اور ملکی سکون درہم برہم ہو رہا ہے، کہیں پر وہ طبقاتی کشمکش میں مبتلا ہیں مسلمانوں کو چاہئے وہ اپنے کو قرآن سے وابستہ کر کے اپنے کو دوبارہ اتحاد و اتفاق کے رشتوں میں جکڑ لیں۔

صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

خط و کتابت کرتے وقت حوالہ نمبر خریداری ضرور تحریر کریں۔ (منیجر)

زندگی کا نصب العین سمجھئے

عزیز نوجوانو! اس زمانہ میں جب دنیا جنگ وجدال میں گرفتار ہے اور وطن پرستی کے غلط جذبے نے ان کو ظالم و ستمگر بنا دیا ہے اور دنیا خون سے نہا رہی ہے، وقت ہے کہ آپ زندگی کے صحیح نصب العین کو سمجھیں اور اپنے کو اس انقلاب کے خوش آمدید کے لئے تیار رکھیں جو ہمارے دروازہ پر کھڑا ہے، تغافل، تجاہل، اور انجان بنے سے جس طرح ہمارے جسم کے اندر کی بیماری دور نہیں ہو سکتی اسی طرح ہمارے جسم کے باہر کی بیماری بھی دور نہیں ہو سکتی۔

(سید سلیمان ندویؒ)

ایک اہم اور تاریخی اٹلس

از: شعیب اسلم حیدر آبادی متعلم ندوہ

تاریخ اسلامی کے موضوع پر ایک ایسے اٹلس کی ضرورت تھی جس میں دور ابتداء سے لے کر عصر حاضر تک پورے عہد کی اسلامی تاریخ کا تفصیلی تذکرہ ہو اور ساتھ ہی ساتھ مختصر طور پر جغرافیائی نقشوں کے ساتھ تمام تاریخی اور جغرافیائی حالات موجود ہوں اور جس تاریخ میں بعثت محمدی سے لے کر عصر حاضر تک کے تمام سیاسی اور اجتماعی انقلابات اور دینی ثقافتی اور علمی تحریکوں پر مختصر روشنی ڈالی گئی ہو۔

یہ ضرورت اس لئے بھی درپیش تھی کہ اس سے جب کوئی شخص اسلام کی ابتدائی تاریخ معلوم کرنا چاہتا تو اس کو بہت گہرا اور وسیع مطالعہ کرنا پڑتا اور کئی کتب خانوں کو چھاننا پڑتا اور کئی مختلف تاریخی کتابوں کا سہارا لینا پڑتا تھا اور اس میں خاصا وقت صرف ہو جایا کرتا تھا چنانچہ اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اس کی ترتیب و تدوین کے لئے شہر حیدر آباد کے ایک ماہر فن تاریخ جناب شریف حسین ابن الطاف حسین جو وہاں شعبۂ تعلیم سے منسلک ہیں اٹھے اور انہوں نے ان تمام چیزوں کو یکجا کر دیا۔ ایک تاریخی اٹلس لکھا جس کا نام انہوں نے تاریخ اسلامی کا اٹلس رکھا۔ یہ اٹلس ان کی فن تاریخ میں مہارت اور اس سے پوری پوری واقفیت کا آئینہ دار ہے اور ان کی قابل قدر کوششوں کا شاہد ہے۔ اس کی ترتیب و تدوین کے سلسلے میں انہوں نے اپنی زندگی کے بیس قیمتی سال لگائے ہیں۔ اس میں انہوں نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ تاریخی واقعات کا عہد کے اعتبار سے ذکر کریں اور انہوں نے ہر عہد کا اسی کے مقابل نقشہ بھی رکھ دیا چنانچہ اس طرح انہوں نے تمام اٹلس کو مرتب کیا ہے جس میں سے کچھ اہم اہم چیزیں یہ ہیں:۔

۱۔ عالم اسلام کا تاریخی جائزہ۔
۲۔ عالم قدیم اور بعثت محمدی کے نزدیک اس کا سیاسی موقف۔
۳۔ عہد نبوی اور خلافت راشدہ۔
۴۔ خلافت اموی اور فتوحات اسلامیہ کی تقسیم۔
۵۔ خلافت عباسیہ اور ان کا سیاسی مد و جزر۔
۶۔ خلافت عباسیہ کی متحدہ ممالک میں تقسیم اور اس کی سیاسی و جغرافیائی نقشہ کے ساتھ پوری تاریخ۔
۷۔ بڑے چھوٹے چھوٹے ممالک کا ذکر ان کے سنہ کے اعتبار سے ابتداء سے لے کر انتہا تک اور حکومت فاتحہ سے منتقل ہونے کی تاریخ اور سابق حکومت کا اس پر غلبہ۔
۸۔ اسلامی فتوحات ایک نظر میں۔
۹۔ چنگیز خاں اور اس کے جانشین، تیمور اور اس کے جانشین اور ایک زمانہ کی سیاسی صورت حال (اخشید و فراعنہ)
۱۰۔ متحدہ مسلمانوں کا سرمایہ اور ان کے علمی مراکز اور تجارتی بندرگاہ اور تجارتی قافلوں کے راستے۔
۱۱۔ یورپ اور اندلس کا عروج و زوال۔
۱۲۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی چھوٹی اور بڑی حکومتیں بشمول حکومت آصفیہ حکومت دہلی اور حکومت مغلیہ۔
۱۳۔ ہر مرکز کا اٹلس کے ایک صفحہ میں مختصر تاریخی جائزہ ایسٹ اور جدید ملکوں کی مکمل تاریخ۔

اس عظیم تاریخی اٹلس کی کچھ اہم چیزیں تھیں جن کو ہم نے یہاں پر ذکر کیا کمال کی بات یہ ہے کہ فاضل مؤلف نے تن تنہا بیس سال کی طویل مدت میں اس کام کو انجام دیا حالانکہ یہ کام ایسا تھا جسے صرف بڑی بڑی علمی اکیڈمیاں ہی انجام دے سکتی تھیں۔ ہم مؤلف کو اس اہم کام کے لئے مبارکباد پیش کرتے ہیں اور اسلامی ممالک اور دوسرے ممالک کو اس بات کی طرف توجہ دلاتے ہیں خاص کر حکومت سعودی عربیہ کو کہ وہ اس اٹلس کی طباعت کا اپنے خصوصی خرچے سے انتظام فرمائیں تاکہ یہ نادر و نایاب چیز ہر شخص کو پہونچے اور خاص و عام اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں۔

شہدائے اسلام

منیر ذاکر علی کانپور

اسلامی تاریخ میں شہیدوں کا نام جگمگاتے ستاروں کی طرح ہے۔ طلوع آفتاب اسلام سے اب تک جب کبھی اسلام پر یورش ہوئی اللہ کے نیک و صالح بندوں نے اپنی جانیں نچھاور کر کے اسلام کی حفاظت کی اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا اسلام کی تعلیمات مساوات، انصاف، امن و آشتی پر مبنی ہیں۔ جب کبھی مخالف طاقتوں نے ان اصولوں کو مسمار کرنے کی کوشش کی۔ انسانیت کو نقصان پہونچانے کی مہم اٹھائی مجاہدین اسلام نے اپنی جانیں قربان کر کے تحفظ کیا۔ اسلام نے ایسے لوگوں کو شہید کا لقب عطا فرمایا ہے یعنی وہ لوگ جنہوں نے اپنی جان دے کر اسلام کی شہادت دی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے، "شہید زندہ ہیں ان کو مردہ مت کہو۔۔" سچ ہے اپنے ایثار و قربانی سے نہ صرف باطن میں وہ زندہ ہیں بلکہ تاریخ اسلام میں زندہ جاوید ہیں" ایسے لوگ اہل اسلام کے لئے قابل فخر و صد احترام ہیں۔

جنگ بدر میں شہید ہونے والے سب اوّل اور اعلیٰ شہید تھے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کا رتبہ عالی ہے، ان شہداء نے اپنی جانیں قربان کر کے اسلام کی شمع کو روشن رکھا۔ ۳۱۳ مجاہدین جو بے سروسامانی کی حالت میں تھے اس زمانہ کے اسلحہ سے پوری طرح لیس بھی نہ تھے ایک ہزار قریش کی باقاعدہ مسلح فوج کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو گئے۔ ان کا بجز جاں بازی اور اللہ تعالیٰ کی نصرت شامل حال تھی کہ ایسے جری و جانباز عرب کے بہادروں پر فتح حاصل ہوئی۔۔۔ صلوٰۃ و سلام مجاہدین و شہدائے بدر پر۔

جنگ احد میں آقا و مولیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا امیر حمزہؓ کی دردناک شہادت ہوئی۔ آپ کے دائرہ اسلام میں داخل ہو جانے کے بعد مٹھی بھر مسلمانوں کی جماعت کو کافی تقویت حاصل ہوئی تھی۔ آپ بڑے بہادر اور مرد میدان تھے۔ آپ کو وحشی بن حرب، ہندہ کے غلام نے شہید کیا۔ ہندہ نے آپ کا کلیجہ نکالکر چبایا اور اس طرح اسلام دشمنی پر اپنا دل ٹھنڈا کیا تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو سید الشہداء کا لقب عطا فرمایا۔

فتح مکہ کے بعد جب آنحضورؐ مکہ میں داخل ہوئے تو اہل مکہ کو خطاب کرنے کے لئے ایک جلسہ کیا۔ کفار مکہ تھرا رہے تھے اور سہمے ہوئے تھے کہ آج محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری اسلام دشمنی اور ظلم و ستم پر بدلہ لیں گے۔ اور قتل عام کا حکم دیں گے لیکن آپ کی ذات رحمۃ للعالمین نے ایک ایک دشمن اسلام کو معاف کر دیا۔ ان کو بھی معاف کر دیا جنھوں نے آپ کو تکالیف اور ایذائیں پہونچائی تھیں ــــ ابوسفیان کو بھی معاف کر دیا اور اعلان فرما دیا کہ جو لوگ اس کے گھر میں پناہ لیں گے ان کو بھی پناہ ہے۔ امیر حمزہؓ سید الشہداء کے قاتل وحشی بن حرب کو بھی معافی دی اور ہندہ کو بھی معاف کر دیا۔ حالانکہ ان کو دیکھ کر آپ کو صدمہ ہوا اور ان کی طرف سے منھ پھیر لیا تھا۔۔۔۔ صلوٰۃ و سلام رحمۃ للعالمین کی ذات گرامی پر۔

دوسری دردناک شہادت حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ سوم کی ہے۔ آپ کے حلم و حیا اور سخاوت کے اوصاف سے دفتر بھرا پڑا ہے جب مسلمان ہجرت کر کے مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ گئے تو مہاجرین کو پانی کی سخت دقت و پریشانی تھی۔ یہودیوں کے پاس ایک کنواں تھا۔ آپ نے منھ مانگی قیمت ادا کر کے کنواں خرید لیا اور مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔ اپنی دولت سے مسلم سماج کی برابر خدمت کرتے رہتے تھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو غنی کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ آپ کا مرتبہ اکابر صحابہ میں بہت بلند ہے۔ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت غنیؓ کے بارے میں فرمایا کہ وہ میرے ساتھ جنت میں جائیں گے۔

حضرت عمر فاروق اعظمؓ خلیفہ دوم کی شہادت کے بعد آپ کا انتخاب بحیثیت امیر المومنین ہوا۔ آپ کے دور خلافت میں کچھ مفسدین نے سر اٹھایا اور انتظام خلافت میں مخل ہونے لگے۔ نرم مزاج اور عفو و درگذر سرشت ہونے کے باعث آپ نے شرپسند لوگوں کی بر وقت گرفت نہ کی، ڈھیل کے باعث باغیوں کا ایک گروہ آپ کے درپے آزار ہو گیا۔ باغیوں نے احاطہ عمارت خلافت کا محاصرہ کر لیا اور سامان رسد کا جانا بند کر دیا۔ حتیٰ کہ جو کنواں آپ نے خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا تھا اس کا پانی بھی آپ کے اور آپ کے اہل و عیال کے لئے بند کر دیا۔ اس پر آپ نے فرمایا: "اے لوگو! جس کنویں کو میں نے اپنے پیسے سے خریدا تھا اس کا پانی بھی میرے لئے بند ہے تم لوگ ظلم سے باز آجاؤ"۔ لیکن باغیوں نے ایک نہ سُنی اور ظلم و تشدد میں اضافہ کر دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت عثمانؓ کی حفاظت پر اپنے صاحبزادگان حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو مامور فرمایا۔ دونوں بھائی صدر پھاٹک پر نگرانی کرتے اور باغیوں کو اندر جانے سے روکتے۔ یہ محاصرہ ۴۰ یوم تک جاری رہا۔ امیر المومنین عثمان غنیؓ دانہ پانی کی آمد سے محروم رہے۔ آخر باغی عمارت کے پیچھے کی دیوار پھاند کر اندر داخل ہوئے اُس وقت حضرت عثمانؓ قرآن پاک کی تلاوت فرما رہے تھے اور روزہ دار تھے۔ باغیوں نے آپ پر جب پہلا وار کیا تو آپ کی بیوی نائلہ نے آپ کو بچانے کی کوشش کی تو آپ کے ہاتھ کی انگلیاں کٹ کر گریں دوسرا وار حضرت عثمانؓ پر ہوا قرآن شریف پر آپ کا خون گرا۔ آپ نے اُف نہ کی۔۔۔ ظالموں نے آپ کو شہید کر دیا۔

احاطہ عمارت میں تین سو مسلح سپاہی تھے جو خلیفۃ المسلمین کے حکم کے منتظر تھے وہ درخواست کرتے تھے کہ ہم کو اجازت دیجئے ہم ان باغیوں کی سرکوبی کر دیں لیکن آپ نے یہ گوارہ نہ کیا کہ انکی خاطر مسلمانوں کا کشت و خون ہو۔ ۴۰ دن تک خود ہر طرح کے مصائب جھیلتے رہے یہانتک کہ اپنی جان دیدی۔ باغیوں کی سرکوبی کی پوری مقدرت رکھتے ہوئے ۴۰ دن تک دانہ پانی بند رہنے کے باوجود جنگ و جدال و خونریزی سے احتراز کیا اور کسمپرسی کی حالت میں شہید ہو گئے و صبر و تحمل کا بے مثال نمونہ پیش کیا۔

حضرت کرم اللہ وجہہ کا دور خلافت شروع سے پرآشوب اور ہنگامہ خیز رہا۔ حضرت عثمان غنیؓ کے قاتلوں کی گرفتاری اور سزا دیے جانے کا مطالبہ آپ سے کیا گیا لیکن آپ اُن باغیوں کے جنگل میں ایسے بے بس ہو گئے تھے کہ سزا دینے کی صورت میں وہ خود مصیبت میں گھر جاتے آپ کو جنگ جمل و جنگ صفین لڑنا پڑیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا و اکابر صحابہ جنگ جمل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف صف آرا ہوئے۔ جلیل القدر صحابیوں کی ایک کثیر تعداد جنگ جمل میں کام آئی۔ جنگ صفین حضرت امیر معاویہؓ سے ہوئی۔ مخالفتوں اور ریشہ دوانیوں سے تنگ آکر آپ نے اپنا دار الخلافہ کوفہ میں منتقل کر دیا تھا۔ ان ہنگاموں سے مدینہ طیبہ اور مکہ معظمہ کے عوام میں بھی خوف و ہراس طاری تھا۔ پُرسکون ماحول ختم ہو گیا تھا۔

مکہ معظمہ میں تین آدمیوں نے خفیہ سازش کی کہ تین آدمیوں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت معاویہؓ اور عمرو بن العاص کو قتل کر دیا جائے تو فضا پُرسکون ہو جائے گی۔ ان تینوں نے ایک دن اور ایک ہی وقت پر حملہ کرنے کی اسکیم طے کی۔ عبدالرحمٰن ابن مُلجم کوفہ کی مسجد میں جا کر سو گیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نماز فجر کے لئے جب مسجد میں آئے تو ابن مُلجم کو جگایا۔ اس نے زہر کا بُجھا ہوا خنجر حضرت علیؓ کے سینہ میں پیوست کر دیا۔ زخم اتنا گہرا اور شدید تھا کہ آپ جانبر نہ ہو سکے۔ ۲۱ رمضان المبارک ۴۰ھ کو شہید ہو گئے۔

تیسری دردناک شہادت حضرت حسینؓ و انکے ساتھیوں کی ہے حضرت حسینؓ سے آنحضرتؐ غایت درجہ محبت فرماتے تھے۔ صحابہ کرام اور خلفاء راشدین بھی آپ کے ساتھ محبت و اکرام کا برتاؤ کرتے تھے۔ جب ملک ایران کی فوجیں زیر ہوئیں تو شاہی خاندان کے افراد گرفتار کر کے مدینہ طیبہ لائے گئے اور حضرت عمر فاروقؓ کے سامنے پیش کئے گئے۔ ان میں ایک شہزادی موسومہ شہر بانو تھی۔ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے بھی خواہشمند تھے کہ وہ شہزادی ان کی زوجیت میں دے دی جائے لیکن آپ نے حضرت حسینؓ کو ترجیح دی۔ امام زین العابدین و دیگر بچے ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

بعض مورخین کا خیال ہے کہ آپ ۲ محرم الحرام ۶۱ھ کو اور کچھ مورخین کی تحقیق میں ۹ محرم کو کربلا کے میدان میں پہونچے۔ عمر و سعد کی فوجوں نے آپ کے قافلہ کے گرد گھیرا ڈالدیا آپ نے تین شرائط اس کے سامنے رکھیں۔ اول یہ کہ مجھے واپس جانے دو۔ دوسرے یہ کہ مجھے یزید کے پاس بھیجدو تا کہ میں اس سے گفتگو کروں

تیسرے یہ کہ مجھے سرحدی علاقہ پر جانے دو تا کہ میں جہاد کروں۔ لیکن یزید کے سپہ سالار نے ایک بات نہ مانی اور یزید کی بیعت پر مجبور کیا جو آپ کو منظور نہ تھی۔ آخر کار جنگ کرنے پر مجبور ہونا پڑا جو آپ نہیں چاہتے تھے۔ آپ اور آپ کے خاندان کے نوجوانوں و ساتھیوں نے ایک بڑی فوج کے مقابلہ میں مردانہ وار لڑتے ہوئے داد شجاعت دی اور جام شہادت نوش فرمایا۔

٭٭

(تبصرہ کے لئے کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہیں)

مطالعہ کی میز پر

از نسیب ... [illegible]

حیاتِ خلیل:

از مولانا محمد ثانی حسنی ندوی مظاہری۔ صفحات ۶۱۲۔ قیمت ۲۰ روپے
پتہ: مکتبہ اسلام گوئن روڈ۔ لکھنؤ

محدث جلیل حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری اپنی شہرۂ آفاق کتاب "بذل المجہود فی شرح ابی داؤد" اور "براہین قاطعہ" وغیرہ کے سبب کسی تعارف کے محتاج نہیں، آپ کی ذات میں علم و فضل، فقہ و حدیث اور تصوف و احسان کا ایسا اجتماع تھا جو بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔ آپ عالم ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ، مولانا مظہر نانوتویؒ، اور مولانا محمد یعقوب نانوتوی کے شاگرد رشید تھے، اور حضرت گنگوہیؒ کے خلیفۂ خاص اور آپ کے تلامذہ و خلفاء میں حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ، مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی، حضرت مولانا الیاس کاندھلویؒ، اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہٗ جیسے بانی علماء ہیں۔

آپ کی سوانح حیات، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے "تذکرۃ الخلیل" کے نام سے بڑی عقیدت کے ساتھ لکھی تھی مگر اب اس کی زبان پُرانی ہو چلی تھی اس لئے حضرت شیخ الحدیث سہارنپوری کے ایما و ہدایات کی روشنی میں مولانا محمد ثانی صاحب نے حضرت مرحوم کی سوانح از سر نو لکھی اور موضوع کا حق ادا کر دیا اور کتاب میں بہت سی معلومات کا اضافہ کیا جو انھیں حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ سے ملیں۔ جلد اول حالات اور جلد ثانی فضائل و کمالات کے ذکر پر مشتمل ہے۔

مولانا محمد ثانی صاحب کو بزرگوں کے تذکروں اور ان کے سلسلوں سے خاص واقفیت ہے اس لئے اس کتاب میں بھی انہوں نے اپنی تحقیق کا بہتر نمونہ پیش کیا ہے اور اس وقت کے ماحول، اشخاص خانوادوں اور مکاتیب فکر کا بھی جائزہ لیا ہے، جس سے قاری کے سامنے اس عہد کی تصویر آجاتی ہے۔ حالات کے حصے میں ایک ایک جزیہ کا احاطہ کیا گیا ہے اور کوئی بات بغیر حوالے کے نہیں لکھی گئی ہے اس طرح تحقیق کے جدید معیار پر بھی پوری اترتی ہے۔

کتاب کا خاص حصہ، حصہ دوم ہے جس میں حضرت مولانا کے اوصاف و کمالات، امتیازات و خصوصیات، بیعت و تربیت کے موثر واقعات پر روشنی ڈالی گئی، افکار و خیالات کے عنوان سے حضرت مولانا کے گرانقدر احسانی ملفوظات اور ضروری موضوعات پر آراء کو جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پھر حضرت مولانا کے بارے میں ہمعصر مشائخ و علماء، حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ، حضرت گنگوہیؒ، حضرت شیخ الہندؒ، حضرت تھانویؒ، حضرت مدنیؒ اور مولانا عبدالحی صاحبؒ (صاحب نزہۃ الخواطر) کی رائیں درج کی گئی ہیں اور آخری دو ابواب میں تصنیفات اور خلفاء کا تعارف کرایا گیا ہے، خاص طور پر "بذل المجہود" پر تفصیلی نظر ڈالی گئی ہے، شروع میں حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہٗ کے قلم فیض رقم سے ایک فاضلانہ مقدمہ ہے اور آخر کتاب میں انہی کے خادم عزیز شمامہ سے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کے مبارک احوال، مسک الختام کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مصنف کہنہ مشق اہل قلم ہیں اور انکے قلم سے متعدد کتابیں نکل چکی ہیں، اس کتاب میں بھی ان کا قلم شگفتہ نگار اور باغ و بہار ہے، موقع موقع سے مناسب اشعار مزہ دے جاتے ہیں اور سادگی کے ساتھ شگفتگی کا دامن نہیں چھوٹنے پایا ہے، کتاب اہل ذوق کے لئے ایسی دلچسپ ہے کہ بلا ختم کئے کو جی نہیں چاہتا، اس سے اردو کے دینی ادب میں ایک وقیع اور مفید اضافہ ہوا ہے جس کے لئے مصنف مستحق مبارکباد ہیں۔

ARABIC & PERSIAN, IN CARNATIC.

از: مولانا محمد یوسف صاحب کوکن۔ صفحات: ۵۸۱
پتہ: حافظ ہاؤس، ۲۶ ملیا پورم اسٹریٹ، مدراس

مولانا محمد یوسف کوکن صاحب (جنکو علمی کاوش کے پیش نظر کوکن کہنے کو جی چاہتا ہے) جنوبی ہند کے ممتاز فضلاء میں ہیں۔ اور متعدد گرانقدر کتابوں کے مصنف و مؤلف ہیں جن میں امام ابن تیمیہ، خانوادہ قاضی بدرالدولہ، باقر آگاہ کی سوانح عمریاں بہت اہم ہیں۔ ان کے علاوہ اردو، عربی اور انگریزی میں بھی آپ کی متعدد کتابیں ہیں۔ پیش نظر فاضلانہ و محققانہ کتاب انہوں نے انگریزی میں مرتب کی ہے جو ریاست کرناٹک کے ان علماء و فضلاء کے حالات اور تصنیفات کے ذکر پر مشتمل ہے جو ۱۷۱۰ء سے ۱۹۶۰ء کے عرصے میں سلطنت نوائط، پھر نواب انورالدین خاں، نواب عظیم الدولہ، نواب غلام غوث خاں بہادر اور پھر برطانی حکومت میں گزرے ہیں جن میں شاید مولانا عبدالعلی بحرالعلوم کے علاوہ بھی علماء کا جنوبی ہند سے تعلق ہے جنوبی ہند کی علمی تاریخ پر بہت کم کتابیں دستیاب ہیں اسلئے جناب کوکن صاحب یہ تصنیف لطیف ایک اہم خلا کو پر کرتی ہے، انہوں نے اختصار کے ساتھ مستند حالات جمع کرنے کے ساتھ علماء کی تصنیفات کا بھی تعارف کرایا ہے اور کثرت سے ان کے اقتباسات بھی درج کر دیے ہیں جو ان کتابوں کے انتخاب کا درجہ رکھتے ہیں بیشتر نمونے فارسی پھر عربی اور اردو نظم و نثر پر مشتمل ہیں، مصنف موصوف اگر اردو کو بھی اپنا موضوع بنانے تو بہتر ہوتا۔ کتاب ایک سنجیدہ علمی و تحقیقی خدمت ہے اور جنوبی ہند کی علمی تاریخ کے لئے ماخذ کا کام دے سکتی ہے۔ کتاب عمدہ انگریزی و عربی ٹائپ میں چھپی ہے۔

مجاہد کی اذان:

مترجم: مولوی عنایت اللہ سبحانی
صفحات: ۴۶۴ قیمت: دس روپے
پتہ: مکتبہ الحسنات، رام پور۔ یوپی

یہ کتاب اخوانی رہنما شیخ حسن البنا شہید کے چند ایمان افروز اور ولولہ انگیز دینی مقالات کا اُردو ترجمہ ہے جو عربی میں رسائل حسن البنا کے نام سے چھپے تھے ان میں الاخوان المسلمون کی پُرجوش دینی دعوت و تحریک کا تعارف کرایا گیا ہے اور چونکہ بانی تحریک کے قلم سے ہے اس لئے اس کے استناد میں کلام نہیں، شیخ حسن بنا شہید کی تحریروں میں سیدنا عبدالقادر جیلانی کی موعظت، شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی دینی غیرت و حمیت اور مولانا اسماعیل شہید کی جرأت و استقامت کا انداز ملتا ہے۔ اور عربی میں ان کا ایک مخصوص اسلوب ہے۔ مترجم نے روانی اور شگفتہ ترجمہ کی کامیاب کوشش کی ہے اور کتاب کے شروع میں شیخ بنا کے حالات بھی لکھ دیئے ہیں۔

امید ہے کہ بتکدۂ ہند میں "مجاہد کی اذان" نامانوس نہ ہوگی اور اس کے معانی و مطالب پر غور کیا جائے گا۔

٭٭

(نوٹ: لکھنؤ شہر کی ایجنسی کے لئے خواہشمند حضرات خط و کتابت کریں۔)

مطالعہ کی میز پر

حبیب اللہ ندوی

(تبصرہ کے لئے کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہیں)

بریلوی فتنہ کا نیا روپ: مصنفہ: مولانا محمد عارف سنبھلی ندوی

تقطیع ۲۰×۳۰/۸، صفحات: ۲۴۸ — طباعت وکتابت عمدہ، دیدہ زیب ٹائٹل

قیمت: چھ روپے ۵۰ پیسے۔ ناشر: کتب خانہ الفرقان، لکھنؤ

یہ کتاب بریلوی فرقہ کے ایک عالم مولوی ارشد القادری صاحب کی "زلزلہ" نامی کتاب کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ بریلوی فرقہ ہمیشہ سے ہی اکابر دیوبند اور جمہور اہل حق کے خلاف زہر اگلتا رہا ہے اور طرح طرح کی افترا پردازی اور تکفیر وتفسیق کو اپنا شعار بنائے رہا ہے۔ مگر "زلزلہ" میں مولانا ارشد القادری صاحب نے اپنے اسلاف کی ڈگر سے ہٹ کر بڑا معصومانہ اور مظلومانہ انداز اختیار کیا ہے۔ مولانا محمد منظور نعمانی صاحب — جنھوں نے اپنی عمر کا طویل حصہ بریلویات کے جواب وتردید اور بریلوی علماء سے مناظرہ مباحثہ میں گذارا ہے — کے برادر زادہ مولانا محمد عارف سنبھلی ندوی نے "بریلوی فتنہ کا نیا روپ" لکھ کر "زلزلہ" کی فریب کاریوں کا پردہ چاک کیا ہے۔ اور بریلویت کے اصل چہرہ کو پیش کیا ہے، کتاب کی اہمیت وقعت اور اپنے موضوع میں کامل ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ یہ مولانا محمد منظور نعمانی صاحب کی سرپرستی ورہنمائی میں لکھی گئی ہے۔

یہ کتاب [illegible] میں منظر عام میں آکر مقبول ہو چکی ہے اور اب اس کا دوسرا اڈیشن چند مفید اضافوں اور نظر ثانی کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ ابتداء کتاب میں مولانا محمد منظور نعمانی صاحب کا ایک وقیع مضمون کا اضافہ کیا گیا ہے جسمیں مولانا نے ہندوستان میں قبوری شریعت کی اجمالی تاریخ بیان کی ہے اور اس فتنہ کے خلاف علماء حق کی مساعی جمیلہ اور حق وبدعت کی کشمکش کو ذکر کیا ہے اور کتاب کے آخر میں عامر عثمانی مرحوم کا وہ تبصرہ بھی شامل کیا گیا ہے جو انھوں نے اس کتاب پر لکھا ہے اور جس میں انہوں نے "زلزلہ" پر اپنے تبصرہ اور تعریفی کلمات سے رجوع کیا ہے۔

مولانا محمد عارف صاحب، مولانا محمد منظور نعمانی صاحب کے تربیت یافتہ ہیں اور فتنہ بریلویت وقادیانیت کے بارے میں وسیع مطالعہ اور گہری نظر رکھتے ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب اگرچہ انہوں نے زلزلہ کے جواب میں لکھی ہے، مگر اصول مسائل کی تنقیح کی طرف زیادہ توجہ کی ہے۔ پہلے عقیدۂ توحید وشرک، عقیدۂ علم غیب اور کائنات میں تصرف کی قدرت کی بسیط تنقیح اور وضاحت کی ہے۔ یہ تفصیلی بحث مصنف کے عمیق مطالعہ، وسیع نظر اور گہری فکر کی آئینہ دار ہے۔

پھر "ارشد القادری صاحب کی تصویر کا دوسرا رخ" کے عنوان سے ان فریب کاریوں اور مغالطہ آرائیوں کو بے نقاب کیا گیا ہے جن میں ارشد القادری صاحب نے کشف وکرامات کے چند واقعات کو لے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جس عقیدہ کو علمائے دیوبند شرک ٹھہراتے ہیں وہی اپنے بزرگوں کے لئے ثابت کرتے ہیں، ساتھ ہی مصنف نے کشف وکرامات کے سلسلہ میں اہل سنت والجماعت کا مسلک بھی واضح کر دیا ہے اور تفصیلی بحث کرتے ہوئے ان مسائل میں اہل حق کے عقائد اور مسلک کی وضاحت کی ہے، اور بتایا ہے کہ کس قسم کے علم غیب اور تصرف کے عقیدہ کو ہمارے اسلاف خصوصاً مولانا اسماعیل شہید نے شرک قرار دیا ہے۔

ایک مضمون مولانا عتیق الرحمن سنبھلی صاحب کا شامل کتاب ہے جو زلزلہ کے اس حصہ کا جواب ہے جو اکابر دیوبند کی تاریخ سے متعلق اور جس میں ارشد القادری صاحب کے حقائق کو توڑنے مروڑنے میں انتہائی دیدہ دلیری کا ثبوت دیا ہے۔

آخر میں ۷۰ صفحات پر مشتمل ایک ضمیمہ بعنوان "بریلی کا تکفیری فتنہ — تاریخ وتعارف" بھی شامل کیا گیا ہے جس میں تکفیری تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے، ندوۃ العلماء، اہل دیوبند، مسلمانوں کی دوسری تحریکوں، اور بڑے بڑے علمی رہنماؤں کے بارے میں بریلیوں کی تکفیری سرگرمیوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

کتاب بہت وقیع، اہمیت کا حامل، اپنے موضوع پر انتہائی کامیاب اور حق کے خلاف باطل کی دسیسہ کاریوں پر کاری ضرب ہے۔ ان لوگوں کے لئے تازیانہ ہے جو ان فتنوں سے باخبر اور خوش فہمیوں میں مبتلا ہیں اور ان لوگوں کے لئے مشعل راہ ہے جو مسائل کو صحیح اور غیر جانبداری کے عینک سے دیکھتے ہیں۔ اس کتاب سے یقیناً ان لوگوں کی نظریں کھل گئی ہوں گی جو بریلویت کی تاریخ، اس کی فتنہ پردازی اور سرگرمیوں سے واقف نہیں ہوں گے۔

ماہنامہ البدر: ایڈیٹر عبد العلی فاروقی۔ تقطیع کلاں۔ صفحات ۲۳، کاغذ، طباعت، کتابت عمدہ — زرمبادلہ، سالانہ بارہ روپئے۔ فی شمارہ ایک روپیہ

پتہ: ماہنامہ "البدر" دار العلوم فاروقیہ۔ کاکوری، لکھنؤ

دار العلوم فاروقیہ کاکوری سے مولانا عبد الحلیم صاحب کی سرپرستی میں یہ ماہنامہ شائع کرایا گیا ہے۔ زیر نظر رسالہ، پہلی جلد کا شمارہ ہے۔ رسالہ کا مزاج با حکمت عملی جیسا کہ سرورق پر لکھا ہے۔ حق شناس، حق پسند اور حق بیان ہے، شمارہ کے عنوانات یہ ہیں، پہلی بات (اداریہ) ڈگمگی رگیں، اسلامی تعلیمات میں اعتدال وتوازن، شان اصحاب کبار، عورت اسلام میں، اور ہوں سال پہلے حضرت صدیق اکبر۔ کتابی دنیا (تعارف وتبصرہ) آئینہ، شمارہ کا خاص مضمون جمیل احمد نذیر صاحب کا — "اسلامی تعلیمات میں اعتدال وتوازن" ہے۔

آج کل ہفتہ وار، پندرہ روزہ اور ماہناموں کی بازار میں کسی طرح کمی نہیں ہے مگر جن رسالوں کی اساس صحت مند عناصر اور اصلاح ودعوت ہو، ان کی تعداد کم ہے، "البدر" کا شمار انھیں میں ہے۔ پہلا شمارہ ہونے کے باوجود، لکھائی چھپائی اور مضامین کی سطح خوش آیند ہے۔ اللہ تعالیٰ ترقی دے اور مفید بنائے۔ آمین

جام کوثر: از محمد حسین ندیم مراد آبادی۔

تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ کتابت طباعت ناقص، قیمت درج نہیں، صفحات ۲۰

ناشر: محمد حسین ندیم۔ سرائے کشن لال، مراد آباد

اللہ کے رسول، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدت ومحبت سے ہر قلب مسلم لبریز ہوتا ہے۔ ہر صاحب ایمان واسلام، اس محسن انسانیت کے حضور میں، ان کے احسانات کا اعتراف، ان کی نوازشوں کا شکریہ، ان پر درود وسلام، ان کے در پر حاضری کا اشتیاق وچاہت، غرض کوئی نہ کوئی نذرانہ اور کوئی نہ کوئی سوغات پیش کرنا، اپنے لئے باعث صد افتخار سمجھتا ہے، اور اس میں ہمارے شعراء ہمیشہ پیش پیش رہتے ہیں جس سے جو بن پڑتا ہے حضور کی شان میں کہتا ہے اور انتہائی عقیدت سے کہتا ہے۔

زیر نظر کتابچہ نعتوں کا مجموعہ ہے۔ ابتداء کتاب میں کچھ حمد شامل ہیں ایسے کسی شعری مجموعہ کو شاعری کے میزان اور ادب وانشاء کے معیار سے دیکھا جانا چاہئے۔ بلکہ انھیں جذبۂ دل اور درد اشتیاق کے معیار سے جانچنا زیادہ مناسب ہوتا ہے۔

اس نقطۂ نظر سے اس کتابچہ کے بارے میں بھی ہم یہ کہہ کر گذر جاتے ہیں کہ چونکہ یہ نعتوں کا مجموعہ ہے اور نعتیں جذبۂ صادق اور عقیدت ومحبت سے کہی جاتی ہیں اس لئے اچھی ہیں۔ البتہ دوران مطالعہ جو بات شدت سے محسوس کی گئی اسکا اظہار لازمی ہے کہ شاعر موصوف کو ابھی بہت مشق وتمرین کی ضرورت ہے۔ جگہ جگہ مصرعوں میں سکتے اور تراکیب میں غرابت محسوس ہوئی۔ الفاظ کے استعمال کے بجائے الفاظ سازی کی گئی ہے اللہ کی ذات کے لئے "بنا ایں قرآں" اور لامکیں جیسے الفاظ محل نظر ہیں۔ کتابت وطباعت تکلیف دہ حد تک ناقص ہیں۔

ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

- ایک پاکباز خاتون
- ایک وفاشعار بیوی
- ایک شفیق ماں
- ایک اعلیٰ نمونہ

علاء الدین راجگوی ندوی

چھٹی صدی مسیحی میں عرب کے ریگستانوں، تپتے ہوئے صحراؤں، ریت کے تودوں اور بے آب وگیاہ میدانوں سے ایک آندھی چلی اس آندھی نے پورے عرب کو اور تھوڑے ہی عرصے میں پوری دنیائے انسانیت کو اپنی لپیٹ میں لے لی، شمع ہدایت کی ایک ایسی روشنی نمودار ہوئی جس کی کرنوں نے ظلمت کی تاریکیوں اور باطل کے دبیز چادروں کو چاک چاک کر دیا، ایمان ویقین کی یہ چنگاری شعلۂ جوالہ بنی اور پوری بنی نوع انسان کو اپنی ضیاپاشیوں سے منور کرتی رہی۔

فاران کی بلندیوں سے ایک آواز بلند ہوئی ایک ایسی آواز جس کی صدائے بازگشت مدتوں پہلے قوموں نے سنی تھی، لیکن عرصہ ہوا اسے قوم بھلا چکی تھی، یہ آواز حق وصداقت کو غالب کرنے اور باطل کو سرنگوں کرنے کے لئے اٹھی تھی، یہ آواز تھی انسان دوستی، انسان برابری، بھائی چارگی کی، اور اس آواز کا واحد مقصد تھا انسان پرستی، نفس پرستی، شہوانیت پرستی، بت پرستی، شیطان پرستی اور جھوٹے خداؤں کی (طاغوت) پرستش سے برسرپیکار کر کے ایک خدا، ایک معبود اور ایک خالق کے حضور سربسجود کرنا۔

اس آواز نے ان کی زندگی کی کایا پلٹ دی، ان کو جاہلیت کی لغزشوں ظلمت وتاریکی کی اندھیری کوٹھریوں اور بت پرستی کی آلائشوں سے پاک وصاف کیا، ان کو اخلاقی قدروں، اخلاقی ضابطوں واصولوں سے روشناس کرایا، ان کی زندگی میں حرکت وحیات کی نئی روح پھونکی۔

ان اخلاقی قدروں اور اسلامی تعلیمات میں وہ زریں اصول بھی ہیں جن اصولوں نے صنف نازک کو جو جاہلیت میں دھتکاری، ماری پیٹی بلکہ زندہ درگور کی گئی، جس کے ساتھ ظالمانہ وسفاکانہ برتاؤ روا رکھا گیا جسکو سماج میں ذلت ورسوائی کا نمونہ سمجھا گیا، جس کی پیدائش تشاؤم وبدفالی، یاسیت وقنوطیت کی باعث بنی، اس کو عزت واحترام عطا کیا۔ اس کے لئے حقوق وفرائض مقرر کئے، مردوں کو اس کا محافظ ونگران اور خدمتگار بنایا۔ معاشرے میں بلند درجہ عطا کیا کیونکہ مرد وزن ہی کے تعلقات سے معاشرے کا وجود منحصر ہے، ان ہی کے باہمی رشتے سے نئی پود ابھرتی اور ان کی سالمیت ان کی ترقی وفلاح، ان کے بننے بگڑنے کی ضامن ہے، آج جب کہ بیسویں صدی کا زمانہ خالص مادہ پرستانہ زمانہ ہے، روحانیت کا فقدان اور مادیت کا غلبہ عام ہے، صبر وقناعت عنقا بنتی جا رہی ہے، مال ودولت کے زہریلے اثرات فضا میں ہر طرف سرایت کر رہے ہیں حرص وآز لالچ وطمع اور چڑھتے سورج کے پجاریوں کے علاوہ ان لوگوں کی صدر درجہ کمی ہوتی نظر آ رہی ہے، جو محنت ومشقت، صبر وتحمل اور بقدر کفاف پر راضی ہوں، اسلامی تعلیمات اور اخلاقی قدریں پامال ہو رہی ہیں عورتوں کی بے پردگی اور عریانیت نے شہوانیت کو فروغ دیکر اپنے گھناونے اثرات چھوڑ دیے ہیں، ایسی صورت حال میں ضرورت ہے کسی ایسے نمونے کسی ایسے اسوۂ حسنہ اور کسی ایسے آئیڈیل خاتون کی جو پروانۂ زندگی کے لئے شمع بن جائے۔ اس بے راہ روی کے دور میں عورتیں کسی سے پیچھے نہیں ہیں پھر مغربی اثرات نے ان کے ذہنوں میں یہ بات ڈال دی ہے کہ اب عورتیں گھروں کی چہار دیواری قید وبند کی گھڑیاں نہیں گذار سکتیں، شیطان نے انہیں ایک نیا سبق یہ پڑھایا کہ حقیقی آزادی یہ ہے کہ مردوں کے دوش بدوش، دفتروں، کالجوں، آفسوں کلبوں اور زندگی کے تمام شعبوں میں ہر وقت وہمہ وقت ان کے ساتھ چلیں۔

اسلامی تاریخ کے دریچوں سے بیشمار ایسی خواتین نظر آئیں گی جن کی علمی وعملی کارناموں نے اسلامی اوراق کے روشن باب میں نمایاں اضافہ کیا ہے ان میں سے کسی کو بھی نمونہ بنالیں تو ساری کٹھنائیاں آسانیوں میں اور سارے مشکل مسائل منٹوں میں حل ہو سکتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی زندگی تاریکیوں کو روشنی کی تابانیاں عطا کرتی ہے ہر ایک کے اندر شان مصطفوی کا عکس اور شان جمالی کا جلوہ نظر آتا ہے۔ ہر ایک کا دل عشق رسول سے سرشار اور حب محمدؐ سے لبریز ہے لیکن ام المومنین حضرت خدیجہ جن کی فاضلانہ شان، جن کی قدر ومنزلت جن کی رفعت وبلندی جن کی للٰہیت وربانیت جن کی عزیمت واستقامت اور جن کے احسانات سے امت گراں بار ہے، آپ کی شان ہی کچھ اور ہے، آپ کی حیات مبارکہ ہر طرح سے کامل واکمل اور انسانیت کا اعلیٰ نمونہ ہے، بیوہ عورتیں بھی صبر واستقامت کا درس لے سکتی ہیں اور خاوند والی بھی بہترین نمونہ پا سکتی ہیں۔ تجارت کے اصول بھی سیکھے جا سکتے ہیں اور ماں کی مثال بھی تلاش کی جا سکتی ہے آپ کی زندگی میں خشکی بھی ہے اور تری بھی۔ آپ نے بیوگی کی صعوبتیں بھی برداشت کی ہیں اور دوشیزگی میں اپنے شوہروں کے آغوش میں پناہ بھی لیا، خزاں کا موسم بھی دیکھا، اور فصل بہار کی رعنائیاں بھی، زندگی میں تجربے بھی حاصل کئے اور بارہا انسانوں کو پرکھا بھی، یہی وجہ ہے کہ آپ کی حیات طیبہ مکمل لائحۂ عمل اور طرز حیات بن سکتی ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان اور آپ کا رتبہ بلند زمانۂ جاہلیت میں مسلم حقیقت تھی، آپ اپنی پاک دامنی، اپنی عفت وپارسائی، اپنی امانت وپاسداری اپنی صداقت وسچائی، اپنی شرافت ومروت اپنے حسن وجمال اپنی تجارت ومالداری میں ہر جا معروف ومشہور تھیں، جھوٹ، چوری، زنا، جوا، شراب خوری وغیرہ برائیاں گرچہ ناپسندیدہ خیال کی جاتی تھیں لیکن معاشرے نے ان برائیوں کے ارتکاب پر کوئی عقاب وسزا کی ضرورت نہیں سمجھا تھا بلکہ وہ معاشرہ ان برائیوں کو اپنے میں ضم کر لینے کی بھرپور صلاحیت رکھتا تھا ایسے ماحول اور ایسے نازک دور میں آپ گندگیوں سے پاک، رذائل سے یکسر خالی اور گھٹیا وپست ذہنیت سے بلند وبالا تھیں پھر کیوں نہ ایسی باعظمت، زیرک ودانا خاتون کی سیرت مبارکہ ہماری بے راہ زندگی کو راہ ہدایت اور بھٹکے ہوئے راہیوں کو منزل مقصود کا پتہ بتا سکے گی۔

حضورؐ کی گیارہ بیویوں میں نسبی اعتبار سے سب سے قریب تر آپ ہی ہیں، آگے کے پشتوں میں جا کر آپ کا سلسلۂ نسب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلۂ نسب سے مل جاتا ہے آپ نے جاہلیت میں دو شادیاں کیں۔ عتیق بن عائذ المخزومی اور ہالہ بن زرارہ۔ پہلے شوہر سے ایک لڑکی اور دوسرے سے ایک لڑکا پیدا ہوا لیکن تھوڑے ہی عرصے کے بعد دونوں شوہروں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو داغ مفارقت دے دی اور ایک دوسرے سے جا ملے، ان دونوں کی وفات نے حضرت خدیجہؓ کو رنجیدہ خاطر بنا دیا۔ ایک پھر دوسرے کی جدائی سے آپ تشاؤم وبدفالی میں مبتلا رہنے لگیں پھر بیوگی کا احساس اور رنج وغم درد والم نے آپ کو اور بھی زندگی سے بیزار بنا دیا، زندگی کی الفتوں سے آپ نالاں بلکہ نفرت کرنے لگیں لیکن دوسری طرف آپ سے تعلقات پیدا کرنے والے رؤساء، سادات اور رشتۂ ازدواج کے خواہشمند حضرات کی بھی ایک لمبی فہرست تھی جنھوں نے بارہا آپ کی خدمت میں شادی کی پیشکش کی تھی اور اس پاکباز خاتون کو اپنی زوجیت میں لینا چاہا تھا لیکن آپ اپنی بیوگی سے اس درجہ خائف تھیں کہ آپ میں دوبارہ کسی شوہر کی جدائی وفراق برداشت کرنے کی قوت باقی نہیں رہ گئی تھی اسی لئے آپ نے ازدواجی تعلقات پیدا کرنے کا خیال ہی یکسر اپنے دل ودماغ سے نکال دیا تھا اور رؤساء کی بزرہا کوششوں کے باوجود آپ نے ان کی خواہشات کو ٹھکرا دیا۔

پرنٹر، پبلشر، مسئول سید محمد حسنی نے جے کے آفسیٹ پرنٹنگ پریس دہلی میں طبع کرا کر دفتر تعمیر حیات "ندوہ، لکھنؤ" سے شائع کیا۔

اڈیٹر: اسحٰق جلیس ندوی

کتابت: جلال الدین شمسی ندوی

جناب ریاض الدین احمد صاحب
(سابق پرنسپل اسلامیہ کالج الٰہ آباد)

شراب — قرآنی تجزیہ

زبانِ نبوت: زبان نبوت تائید غیبی کے بغیر نہیں ہلتی۔ حرمت شراب کی آیات نازل ہو چکی ہیں۔ شراب کے قرابے توڑ دیئے گئے ہیں۔ بنت عنب نالیوں میں بہہ رہی ہے۔ مگر اب بھی کچھ دل شراب کے لئے نرم ہیں۔ ایک صحابیؓ نے عرض کیا — یا رسول اللہ (صلعم)! کیا دوا کے طور پر تھوڑی سی شراب استعمال کی جا سکتی ہے؟" آپ نے فرمایا "وہ دوا نہیں بیماری ہے"۔ کسی دوسرے نے عرض کیا۔ حضور! کیا اتنی کم مقدار میں استعمال کر لیں کہ جس سے نشہ بالکل نہ آئے؟" ارشاد ہوا۔ جس چیز کا ایک پورا قرابہ نشہ پیدا کرتا ہو اس کا ایک چلو بھی پینا حرام ہے۔"

رواج عام: آجکل انگریزی دواؤں میں خصوصاً طاقت کی دواؤں میں شراب کی ہلکی سی چاشنی کو عملاً جائز سمجھ لیا گیا ہے اگرچہ طب حاضرہ میں متبادل دوائیں جنمیں شراب کا جزو نہیں ہوتا کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ دیکھا یہ جا رہا ہے کہ مسلم اطبا اپنے نسخوں میں شراب آمیز دواؤں کو بلا تکلف تجویز کرتے ہیں اور مسلمان گھرانوں میں ان کا استعمال بلا تامل ہو رہا ہے۔ درانحالیکہ معالج اور مریض دونوں اس حقیقت سے ناآشنا ہیں کہ شراب دوا نہیں بیماری ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ گذشتہ پندرہ برسوں میں جو کثیر ذخیرہ تحقیقات اس حدیث قدسی کی تائید میں نظر آرہا ہے اس کو اکٹھا کرنے والے سب کے سب غیر مسلم ہیں اس لئے وہ اپنے مخاطب میں وہ روح ایمانی نہیں پیدا کر سکے ہیں جو ترک شراب کے لئے طاقتور محرک یا صحیح داعیہ کی شکل اختیار کرے۔

ارشاد گرامی کی نوعیت: آنحضرت (صلعم) کے ارشادات گرامی کی نوعیت خالی خولی مشورے کی نہیں ہے۔ بلکہ ایک ایسے ضابطے کی ہے جس کی بنیاد قرآن ہے۔ آپ کے ارشادات کو قبول کرنا ایک طرف ضابطۂ حیات کو کڑی در کڑی مضبوط کرنا اور دوسری طرف حلقۂ اطاعت و عبودیت میں داخل ہو کر پوری نوع انسانی کو شیطانی اعمال سے محفوظ کر دینا ہے۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ خمار خانۂ عالم حلقہ بگوشوں سے بھرتا جا رہا ہے۔ احکامات قرآنی کی توجیہات کی جا رہی ہیں۔ ارشادات نبوی کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ یہی نہیں بلکہ یہ دشمن دین دشمن جاں بھی بنتے جا رہے ہیں۔ شراب کے راستے سے اپنی صحت کے لئے شدید خطرات مول لینا قبول کرتے ہیں۔ اور احتراز کے ذریعے سے صحت کو قائم کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔

ان حالات میں ارشادات نبوی کی نوعیت صرف ایک ضابطے کی نہیں بلکہ ایک فلاحی قانون کی بن جاتی ہے۔ جو صرف مسلمان کے لئے نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لئے۔ اور فلاح انسانی کے لئے اہم اور ضروری ہے۔

احکامات قرآنی تین مرحلوں میں:

دانائے راز خالق کونین نے شراب کے معاملہ میں جو فلاحی قواعد و ضوابط مرتب فرمائے اس کی بنیاد قرآن مجید کی حسب ذیل آیات ہیں جو تین مرحلوں میں نازل ہوئی ہیں۔

یسئلونک عن الخمر والمیسر ط قل فیھما اثم کبیر و منافع للناس و اثمھما اکبر من نفعھما ط
(البقرہ ۲۱۸)

(پوچھتے ہیں شراب اور جوئے کا کیا حکم ہے؟ کہو ان دونوں چیزوں میں بڑی خرابی ہے۔ اگرچہ ان میں لوگوں کے کچھ منافع بھی ہیں مگر ان کا گناہ ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے)۔

یا ایھا الذین امنوا لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکٰریٰ۔ (النساء ۴۳)
(اے ایمان والو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب مت جاؤ)۔

یا ایھا الذین امنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون ہ (المائدہ ۸۹)
(اے ایمان والو! یہ شراب اور یہ جوا اور یہ آستانے اور پانسے یہ سب گندے شیطانی کام ہیں۔ ان سے پرہیز کرو۔ امید ہے کہ تم کو فلاح نصیب ہوگی)۔

پہلا مرحلہ: پہلے مرحلے میں ان تصورات کی نفی فرمائی گئی جو عرصہ دراز سے شراب کی افادیت کے بارے میں پیش کئے جاتے تھے اور عجیب بات یہ ہے کہ آج بھی اعلیٰ ذوق دور جہالت کے اس استدلال سے چپکے ہوئے نظر آتے ہیں جس کو قرآن کے علاوہ علوم حاضرہ نے بھی پاش پاش کر دیا ہے۔ استدلال کا رُخ یہ ہے۔

(۱) شراب کی بڑی افادیت اس کا مسکن ہونا ہے۔ مگر یہ حقیقت چھپی نہیں ہے کہ یہ سکون عارضی اور مصنوعی ہے اور انسان کے الجھے ہوئے ذہنی مسائل کو حل نہیں کرتا۔ بلکہ الجھنوں میں اضافہ کرتا ہے۔

(۲) شراب کے حق میں دوسری دلیل اس کا طاقت بخش ہونا ہے۔ خصوصاً بہ حالت مرض یا پیری اور ضعیفی۔ حالانکہ یہ خوب معلوم ہے کہ یہ حرارت غریزی کو صرف وقتی طور پر ابھارتی ہے اور بعدہٗ اعصاب کو اور زیادہ مضمحل کر دیتی ہے۔

(۳) تیسری دلیل شراب کا دافع برودت ہونا ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ سرد ممالک میں شراب کا استعمال زندگی کو گرمائے رکھنے کے لئے ضروری ہے مگر کوئی غذا یا دوا جو فطری عوامل کو تیز تر کر دے صحت کے لئے مفید نہیں ثابت ہو سکتی اگرچہ اس کا فوری ردعمل خوش آیند ہو۔

قرآن چونکہ ہر فعل انسانی کو نتائج کے ترازو پر تولتا ہے اور نفع یا نقصان کو آخرت کے حساب و کتاب پر منحصر کرتا ہے اس لئے اس خسارے کو کھول کھول کر بیان کر رہا ہے جو قیامت کے دن عذاب الٰہی کی شکل میں نمودار ہوگا۔ یہ عذاب جو ہمیشہ ہمیشہ قائم رہنے والا ہے اس نفع کے مقابلے میں جس کا بہر حال ختم ہو جانا یقینی ہے کہیں زیادہ قابل اعتنا ہونا چاہئے۔ اس لئے قرآن بروقت متنبہ کرتا ہے کہ لوگ اپنی عقل اور فراست عملی کا استعمال کر کے شراب سے دست بردار ہو جائیں تاکہ ان کے لئے فلاح کا راستہ کھل جائے۔ لیکن اگر اب بھی وہ باز نہیں آتے تو یقیناً انہوں نے خسران عظیم کا راستہ اختیار کیا ہے اور اللہ کا شدید عذاب ان کے استقبال کے لئے تیار ہے۔

اس آیت کریمہ میں حرمت شراب کا پہلو واضح طور پر سامنے نہیں آیا ہے مگر صالح مزاج والوں کے لئے ہر وہ فعل جو "اثم کبیر" کی طرف لے جائے۔ حرام کا ہی درجہ رکھتا ہے۔ درحقیقت ایک شراب زدہ قوم کے لئے بہترین حکمت عملی یہی ہو سکتی تھی کہ پہلے مرحلہ میں انھیں نتائج شراب خوری سے باخبر کیا جائے اور رضاکارانہ طور پر سنبھلنے کا موقع دیا جائے۔

دوسرا مرحلہ: مگر دوسرے مرحلے میں حرمت شراب کا پہلو اور زیادہ واضح کر کے پیش کیا گیا۔ اب ایک باضابطہ اعلان میں فرما دیا گیا کہ نشہ کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب مت جاؤ۔ اس اعلان نے عام حالات میں شراب نوشی سے "اثم کبیر" کی کیفیت کو زائل نہیں کیا۔ مومن کے لئے سُکر ہر حالت میں قابل ملامت اور سرزنش تھا ہی۔ مگر حالت نماز میں یہ کیفیت دربار خداوندی کے اکرام و آداب کے لئے کسی طرح قابل چشم پوشی ہو ہی نہیں سکتی تھی پھر نماز چونکہ اسلامی ضابطۂ حیات کی مکمل آئینہ دار ہے اس لئے نمازی کے کردار کو مسجد کے کردار اور بازار کے کردار میں الگ الگ تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا جو طرز عمل مسجد میں ہے وہی طرز عمل مسجد کے باہر ہونا ضروری ہے۔ اسلئے مسجد میں شراب کی حرمت مومن کی عام زندگی میں حرمت پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن چونکہ قانونی الفاظ میں حرمت کا اطلاق صرف دوران نماز تھا اس لئے شائقین شراب نے مسجد کے باہر اسے مباح کا درجہ دے دیا۔ حالانکہ اللہ کے رسول (صلعم) خوب جانتے تھے کہ قانون حرمت محدود اور مخصوص نہیں ہے۔ اور حلقہ بگوشان رسول بھی اس راز سے واقف تھے۔ اس لئے انہوں نے شراب کے معاملہ میں احتیاط اور اجتناب کے پہلو کو زندگی کے ہر ہر گوشے میں داخل کر لیا۔

تیسرا مرحلہ: تیسرے مرحلے میں حرمت شراب کا اعلان عام کر دیا گیا۔ شراب نوشی کو شیطانی کام بتایا گیا۔ اور اس سے بچنے کا حکم دے دیا گیا کیونکہ احتراز کے بغیر فلاح کا راستہ میسر آنا ناممکن تھا شراب کے ساتھ ساتھ جوا، آستانہ اور پانسہ کو بھی ممنوع قرار دیا گیا۔

مگر اس وقت پیش نظر صرف شراب کا مسئلہ ہے۔ یہاں ایک اشکال لفظ "خمر" کے استعمال کی وجہ سے پیدا ہو گیا۔ خمر کے لفظی معنی انگوری شراب کے ہیں۔ اس لئے بعض لوگوں نے غیر انگوری شرابوں کو "حرمت" کے زمرے سے نکال دیا۔ لیکن صاحب قاموس کہتے ہیں کہ "خمر" یا تو انگور کے اس شربت کا نام ہے جو نشہ کرتا ہے یا عام ہے اور عام ہونا زیادہ صحیح ہے۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جس وقت خمر حرام ہوئی ہے مدینہ میں انگوری شراب بالکل نہ تھی۔ اور انسؓ کی روایت ہے کہ جس وقت خمر کے حرام ہونے کا اعلان ہوا تو میں ساقی بنا ہوا تھا، اس وقت کچے اور پکے کھجوروں کی شراب کے علاوہ کوئی دوسری شراب نہ تھی۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا "خمر کی حرمت نازل ہو گئی ہے اور خمر ان پانچ چیزوں سے بنتی

محمد حبیب الرحمٰن ندوی

علم دین کی عظمت شہنشاہ کی نظر میں

اسلامی تاریخ نے اپنی چودہ سو سالہ حیات درخشاں میں جہاں صدہا بلکہ ہزارہا واقعات و حقائق اور ایسے ایسے انمول جواہر دنیا کی بساط پر پیش کئے ہیں، جنکی مثال نہ اگلوں میں ملی نہ پچھلوں میں ملنے کی توقع ہے، وہیں اس کے دامن میں ہمیں بعض ایسے تابندہ اور چمکدار موتی اور قیمتی جواہر پارے ملتے ہیں، جن کو دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں، یہ واقعات و حقائق مسلمانوں اور بادشاہوں کے شاندار اور بلند ترین حُسن مذاق اور حسن مزاج، حُسنِ اخلاق اور عالی ظرفی پر دلالت کرتے ہیں۔ اور جن سے دور اوّل کے مسلمان امراء اور سلاطین کی کریم النفسی، بے لوث خدمت خلق لازوال اور بے مثال حسن اخلاق پر کافی روشنی پڑتی ہے،

انہی خصائص سے متصف خلیفہ ہارون رشید کا ایک مختصر سا واقعہ حدیث شریف اطلب العلم ولو کان بالصین کا منظر ہے بطور مکالمہ نذر قارئین کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

جب کہ دور عباسی عروج پر تھا اور اطراف عالم میں عباسی سلطنت کا ڈنکا بجتا تھا اور ہر فرد بشر کے کان عباسی سلطنت کی آواز سے مانوس ہو چکے تھے اور پورا علاقہ عدل و انصاف، امن و سلامتی اور صلح و آشتی کے بادلوں سے گھرا ہوا تھا، ایکدوسرے سے اجنبیت دور اور بیگانگی کافور ہو چکی تھی، بھائی چارگی اور یکجہتی عام ہو چکی تھی اور سلطنت کے اندر ہر شخص اطمینان و سکون کے ساتھ اپنی زندگی کے دن کاٹنے لگا تھا اور محبت و اخوت کے رنگ میں رنگا ہوا تھا، گویا سلطنت عباسی کا آفتاب اطراف عالم میں بالکل منور ہو چکا تھا ایسے خوش قسمت، نیک دل اور انصاف پسند بادشاہوں ہارون رشید کے زمانہ میں قدرت نے پردۂ غیب سے ایک ایسی بزرگ ہستی کو ظہور میں لایا جو زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت اور حسن اخلاق کا مکمل نمونہ تھا جن کی علمی خدمات مسلّم اور خصوصاً دین فقہ میں امامت کا منصب حاصل تھا یہی وجہ ہے کہ صدیاں گزرنے کے بعد آج بھی علمی دنیا میں آپ کا نام نامی اسم گرامی چودھویں رات کے چاند کیطرح روشن ہے، اور قیامت تک روشن رہے گا جنکو دنیا حضرت امام مالکؒ کے نام نامی سے جانتی ہے، زہد و تقویٰ، خدا ترسی، حب رسول اور علمی تفوق کی وجہ سے خلیفۂ وقت ان کی تعظیم و تکریم میں پیش پیش رہا کرتا تھا جب بھی کسی معاملہ میں حضرت امام مالکؒ کے پاس جانے کی حاجت ہوتی ان سے اجازت کا پروانہ لیکر شرف زیارت حاصل کرتا اور عبادت و ریاضت، پرہیزگاری اور خدا ترسی کی وجہ سے ہر شخص ان کی دل و جان سے عزت اور احترام کرتا تھا، امراء و سلاطین زمانہ اپنے اپنے بچوں کو ان کی قدمبوسی اور صحبت میں رکھنے کے خواہشمند رہا کرتے تھے۔ لیکن کثرت عبادت و ریاضت کی وجہ سے ان کا کوئی وقت خالی نہیں رہتا تھا اس لئے انکو اتنی فرصت نہیں ملتی تھی کہ کسی امیرزادے اور شہزادے کو زانوئے شاگردی تہ کرنے کا سنہرا موقع عنایت فرماتے۔

ایک مرتبہ خلیفہ ہارون رشید نے زرق برق شاہانہ لباس فاخرہ میں ملبوس ہو کر بڑی عقیدت و سعادتمندی کیساتھ حضرت امام مالکؒ کی علمی چوکھٹ پر جبین نیاز ٹیکتے ہوئے حاضری دی۔ حضرت امام مالک حسب معمول درس و تدریس میں مصروف تھے خلیفۂ وقت کو شاہانہ اور لباس فاخرہ میں ملبوس دیکھ کر ایک طائرانہ نظر ڈالی اور پڑھانے میں مشغول ہو گئے، خلیفۂ وقت کی ظاہری شان و شوکت اور شاہانہ طمطراق و ٹھاٹ باٹ کا حضرت امام مالکؒ نے کوئی اثر نہیں لیا۔

خلیفہ: حضور! یہ ہماری خوش قسمتی اور سرمایۂ افتخار ہے کہ آپ جیسے خدا رسیدہ بزرگ اور ولی کامل کی آمد اور خاک پائے سلطنت کو زینت بخشکر چار چاند لگایا۔

امام مالک: خلیفہ ہارون رشید کی گذارشات اور معروضات کو سنکر حضرت امام مالک نے کوئی جواب نہ دیا۔

خلیفہ ہارون رشید مکرر سلام عقیدت کا پھول نچھاور کرتے ہوئے بڑی منت و سماجت کے ساتھ اپنی دلی اور دیرینہ خواہشات کا اظہار کرنا شروع کر دیا، ادھر حضرت امام مالکؒ کا روحانی رعب و جلال کو دیکھ کر بدن پر رعشہ اور کپکپی طاری تھی اور بڑے اشتیاق کے ساتھ رضامندی کا منتظر تھا ہی لڑکھڑاتے ہوئے دبی زبان سے غلامانہ انداز میں یوں عرض پرداز ہوا۔

حضور! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میری اور اہلبیت اور ارکان دولت کی یہ دلی خواہش ہے کہ شاہی خاندان کا ایک بچہ (امین) آپ کی صحبت اور آغوش محبت میں رہکر علم و ادب حاصل کرے تاکہ ظاہری و معنوی علوم و معارف کے زیور سے آراستہ ہو کر سیرت و کردار اور حُسن اخلاق کا مکمل نمونہ بنکر شاہی خاندان کی تمناؤں اور آرزوؤں کا مظہر بن سکے، بڑی لجاجت اور کسرنفسی کے ساتھ کہا کہ آنحضور کی ذات گرامی سے نہ صرف امید ہی ہے بلکہ یقین کامل ہے کہ اپنا قیمتی وقت کا تھوڑا حصہ قربان کر کے شکریہ کا سنہرا موقع عنایت فرمائیں گے

حضرت امام مالک کو خلیفہ کے اس طرح خاکسارانہ، عاجزانہ اور غلامانہ انداز میں خاموش کھڑے رہنے پر ترس آگیا اور آپ کا دل پسیج گیا،

زبان حال سے شاید خلیفہ بھی یہ فیصلہ کر کے ہی آئے تھے کہ حضرت کی رضامندی حاصل کئے بغیر واپس نہ ہونگے۔ آخر کار آپ نے نگاہ کرم اٹھا کر بڑی شان بے نیازی کے ساتھ ارشاد فرمایا،

"اگر تمہاری خوشی اسی میں ہے کہ امین میری صحبت میں رہے اور میری جوتیاں سیدھی کرے تو باد، اور اسے میرے پاس بھیجدو۔

خلیفہ ہارون رشید حضرت امام مالک کی رضامندی کا منتظر تو تھا ہی، آپ کی زبان فیض ترجمان سے مسرت کن اور تشفی بخش . . . . . جواب کا نکلنا تھا کہ خوشی اور مسرت سے باغ باغ ہو گیا اور ان کے اندر مسرت و انبساط کی ایسی لہر دوڑنے لگی جیسے کوئی گمشدہ انمول خزانہ مل گیا ہو، خلیفہ حضرت کی رضامندی کا پروانہ پاکر سر تسلیم خم کرتے ہوئے سلام و نیاز کا نذرانہ پیش کر کے رخصت ہو گئے اور اپنے فلک بوس عمارت اور عالیشان محل میں قدم رکھتے ہی حضرت امام مالکؒ کی مدح سرائی، ثناخوانی اور رضامندی کے گیت گانے لگے اور پوری سلطنت میں خوشیوں کی بہار آگئی، دوسرے ہی دن خلیفہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے امین کو حضرت امام مالکؒ کی خدمت اقدس میں علوم دینیہ حقائق و معارف اور فیوض و برکات کا علمی خزانہ حاصل کرنے کے لئے بھیجدیا۔

مقدس بیٹے نے مقدس باپ کی دیرینہ خواہش کی تکمیل کے لئے زانوئے شاگردی تہہ کیا اور حضرت کی علمی چوکھٹ پر دست بستہ حاضری دی اور بڑی سعادتمندی لگن و انہماک اور ذوق و شوق کے ساتھ تحصیل علم میں مصروف ہو گئے، سعادتمند شاگرد لائق ترین اور شفیق مربی کے ہر حکم کو راہ ہدایت اور سرمۂ بصیرت سمجھتا تھا، حضرت امام مالک روزانہ عبادت و ریاضت سے فارغ ہونے کے بعد لوگوں کو تعلیم عام دینے میں مصروف ہو جاتے اس کے بعد علمی درس و تدریس کا مبارک سلسلہ شروع ہو جاتا تھا، امین تعلیم حاصل کرنے کے بعد جو وقت ملتا اسے کھیل کود لہو و لعب اور سیر و تفریح میں برباد کرنے کے بجائے حضرت کی خدمت گزاری میں صرف کرتا اس سے اس کو چند معمولی روحانی خوشی حاصل ہوتی،

حضرت کے ذاتی کام ہی کیا تھے؟ غسل کے وقت پانی لانا کپڑے دھونا اور جوتیاں صاف کرنا۔

حضرات! آپ لوگ سمجھتے ہونگے وہ پھول جیسا شہزادہ جنہوں نے فلک بوس عمارت اور عالیشان محل ناز و نعم کے ساتھ پرورش پائی ہو اور ماں باپ کے یہاں ذرہ برابر کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ اٹھائی ہو، اور نہ مصائب و آلام اور حوادث زمانہ کا شکار ہوا ہو، بھلا وہ کیونکر کس طرح ایک فقیر بے نوا کی خدمت انجام دیتا ہوگا یہی ناگوار خدمت کے ڈر سے یا ماں باپ کے خوف سے۔

ارے بھائی! نہیں نہیں! بلکہ وہ شہزادہ ہو کر بھی ان کاموں کو برضا و رغبت انجام دیتا تھا اور روزانہ ان کاموں کو حسن و خوبی کے ساتھ انجام دینا اپنا فریضہ سمجھتا تھا،

کچھ عرصہ گزرنے کے بعد خلیفہ ہارون رشید کے دل میں یہ خیال انگڑائیاں لینے لگا کہ چلیں اور چل کر دیکھیں کہ جس مقصد کے لئے اسے حضرت کی خدمت میں بھیجا گیا ہے اس کو اس سے دلچسپی ہے یا نہیں؟ اور استاد و شاگرد کے مابین برتاؤ کیسا ہے، بغیر اطلاع

یہ سوچنے پر مزید مجبور ہو گیا کہ اگر حضور کو کسی ذریعے سے میرے آنے کی اطلاع ہوگی تو انہیں خواہ مخواہ زحمت ہوگی اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ میرے آنے کی خبر پاکر بچہ سے کسی قسم کی خدمت لینا ترک کر دے، خلیفہ کے آنے کا واحد مقصد یہی تھا لہٰذا مذکورہ بالا باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے تصورات کی عمیق گہرائی میں غوطہ زن ہونے کے بعد دل میں یہی فیصلہ کیا کہ اپنے آنے کی اطلاع امام مالک کو نہ دوں، چنانچہ ہارون رشید اپنے ارکان دولت کیساتھ اچانک حضرت امام مالک کی خدمت میں ایسے موقع پر پہونچ گئے جبکہ شفیق استاد اور سعادتمند شاگرد کام میں مشغول اور منہمک تھے، یعنی دیکھتے ہیں کہ حضرت امام مالکؒ وضو فرما رہے ہیں اور اپنے ہی دست مبارک سے پاؤں بھی دھو رہے ہیں اور شہزادہ امین دونوں ہاتھوں سے لوٹا تھامے ہوئے ان کے پاؤں پر پانی ڈال رہا ہے۔

بچشم دید اس منظر کا مشاہدہ کرنے کے بعد ظاہری طور پر تو یہی ہونا چاہیئے تھا کہ جس کا باپ تاج و تخت، ملک و عمارت، عالیشان محل، دولت و ثروت کی فراوانی، رنج و غم اور مصائب و آلام سے بالکل خالی اپنے ناز پروردہ چاند سا حسین بچہ کو ایک فقیر بے نوا کی اس طرح خدمت گزاری میں مامور، مصروف دیکھ کر برافروختہ ہو جاتا اور بیساختہ سخت و سست کلمات اپنی زبان سے نکالنا شروع کر دیتا، لیکن نہیں، ایسا نہیں ہوا، کیوں؟ اس لئے کہ خلیفہ کے دل و دماغ کے ریشہ میں علم دین کی قدر و قیمت اور اس کی عظمت و تقدس رچ بس گئی تھی اور فقیر بے نوا کے زہد و تقویٰ کا سکہ اور علمی بڑائی کا گہرا چھاپ دل میں نقش ہو چکا تھا اور ان کی ظاہریت، بزرگی، خدا پرستی اور حُبِ رسول کے قائل ہو چکے تھے بھلا ایسی بلند ہستی کی شان میں ذرہ برابر بھی گستاخی اور بے ادبی کیسے کرتے! بلکہ حضرت کا اپنے ہاتھ سے پاؤں دھونے کو خلیفہ نے پسند نہیں کیا، اور اپنے بیٹے امین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت امام مالکؒ سے دست بستہ، بڑی لجاجت اور منت و خاکساری کے ساتھ عرض پرداز ہوا

"میں نے اس کو آپ کے پاس
علم و ادب حاصل کرنے کے لئے
بھیجا ہے پھر آپ نے اس کو یہ حکم
کیوں نہ دیا کہ ایک ہاتھ سے پانی
ڈالے اور دوسرے ہاتھ سے پاؤں
بھی دھوئے"

گویا خلیفہ زبان حال سے اس شعر سے
شاد ہے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے

کردانہ خاک میں مل کر گل گلزار ہوتا ہے

کی مکمل تفسیر بیان کر رہے ہیں، دیکھا آپ نے کہ ایک شہنشاہ کے دل و نگاہ میں علم دین کی عظمت اور اس کی بڑائی اس طرح راسخ ہو گئی ہے کہ اس کے آگے حکمرانی، بادشاہت، شاہانہ دربار اور ظاہری طمطراق غرض ساری چیزیں ہیچ ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے، یہی وجہ ہے کہ خلیفہ ہارون رشید حضرت امام مالکؒ سے یوں درخواست کرتے ہیں حضور! اب ہمیں گھر جانے کی اجازت مرحمت فرمائیے۔

حضرت امام مالکؒ نے خلیفہ کی ساری معروضات اور گذارشات کو خندہ پیشانی کے ساتھ سنا اور دل سے خلیفہ کو گھر جانے کی اجازت دی۔

خلیفہ ہارون رشید نے حضرت کی اجازت پاکر سیدھے محل کی راہ لی۔ ایک بچہ کو تو حضرت کی خدمت میں دیا ہی تھا۔ دوسرا بچہ بھی دینے کے لئے رات و دن دل میں رہ رہ کر خیال آنے لگا، آخرکار چند ہی دنوں کے بعد بڑی عقیدتمندی کے ساتھ مکمل عزم کر کے دوسرے بیٹے مامون رشید کو حضرت کی خدمت بابرکت میں بھیجدیا تاکہ ان کی خدمت میں ان سے علوم دینیہ اور فیوض و برکات کا گراں بہا خزانہ حاصل کر کے نجات اخروی کا ذریعہ بنائے اب دونوں بھائی آپ کی خدمت میں رہنے لگے اور خدمت گذاری کا مقابلہ ہونے لگا باپ پر تو علم دین کی عظمت اور اس کی اہمیت کا سکہ بیٹھ ہی گیا تھا، ادھر دونوں بیٹوں کے دل و دماغ میں اپنے شفیق مربی استاذ کی عظمت و بزرگی اور علمی تفوق و بلندی کی وقعت اور اس کی قدر و قیمت کا رنگ اس طرح چڑھ گیا تھا کہ جب حضرت امام مالک نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے نکلنے کا ارادہ ہی فرماتے تو دونوں شہزادے ان کی جوتیاں سیدھی کرنے کے لئے لپکتے اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی بھرپور کوشش کرتے۔

دیکھا آپ نے شہنشاہ اور شہزادوں کے دل و دماغ میں علم دین کی قدر و قیمت اور اسکی عظمت کا گہرا چھاپ کہ اس کے آگے حکمرانی بادشاہت، شاہانہ دربار ظاہری ٹھاٹ باٹ عشرت و آرام اور سرفرازی زندگی سب ہیچ ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ چاہے وہ بادشاہ ہو یا فقیر، اعلیٰ ہو یا ادنیٰ، امیر ہو یا غریب، آقا ہو یا خادم غرض کوئی بھی جب تک اپنی ہستی اور خودی کو خاک میں نہیں ملائے گا اسوقت صحیح معنی میں علم دین کا حاصل کرنا تو بہت دور کی بات ہے اس کی پرچھائی اور خوشبو بھی نہیں پا سکتا۔

بقیہ صفحہ ۲۰: شراب — قرآنی تجزیہ

ہے۔ انگور، کھجور، گیہوں، جو اور شہد اور خمر اسی کو کہتے ہیں جو عقل کو خراب کر دے۔ خمر کا لفظ ہر قسم کی شراب کے لئے بکثرت حدیثوں سے ثابت ہے۔ یہی وجہ تھی کہ حرمت خمر کی آیت نازل ہوتے ہی ہر قسم کی شراب الٹ دی گئی۔ یہاں تک کہ دیلم حمیری جو ایک سرد ملک کے رہنے والے تھے حضور صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا "یارسول اللہ! ہم سرد ملک کے رہنے والے ہیں اور وہاں بڑی مشقت کے کام کرتے ہیں۔ اس ملک کی سردی سے بچنے کے لئے ہم گیہوں کی شراب بنالیتے ہیں" حضورؐ نے پوچھا "کیا اس میں نشہ ہوتا ہے؟" عرض کیا "ہاں"۔ آپؐ نے فرمایا "اس سے پرہیز کرو" انہوں نے عرض کیا "حضور! لوگ اسے چھوڑنے کے لئے نہیں تیار ہیں" فرمایا "اگر نہ چھوڑیں تو تم ان سے جہاد کرنا"۔

اس کے علاوہ خمر کا لفظ اختمار سے ماخوذ ہو سکتا ہے۔ اس کے معنی خمیر اٹھنے کے ہیں۔ اس لحاظ سے جس چیز میں خمیر اٹھ کر جھاگ پیدا ہو جائے اس کا نام خمر ہوا۔ لیکن اگر یہ لفظ مخامرہ سے مشتق سمجھا جائے تو اس کے معنی چھپا لینے کے ہیں۔ چونکہ یہ عقل و ہوش کو چھپا دیتی ہے اس لئے اسے خمر سے موسوم کیا گیا۔ (لغات القرآن ج-۲)

غرض کہ احادیث اور لغات کی روشنی میں خمر عمومی معنوں میں ہر نشہ آور چیز کے لئے استعمال کیا گیا ہے اور اس آیت کریمہ میں خمر سے تمام نشہ آور چیزیں مراد ہیں۔

قرآن کریم نے شراب کے استعمال کو گندگی کا کام اور شیطانی عمل قرار دیا ہے۔ اس فعل شیطانی کا جو خراب اثر معاشرتی زندگی پر پڑتا ہے اس کی وضاحت بھی فرما دی:۔ شراب تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دیتی ہے۔ (ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء) جس معاشرے میں انسانی رشتوں کی بنیاد بغض اور عداوت پر ہو وہ کیسے پھل پھول سکتا ہے۔؟ اور کسی قسم کی فلاحی زندگی کا نظام وہاں کیونکر مرتب ہو سکتا ہے۔؟

اس سے بھی بڑھ کر بات یہ ہے کہ شراب معبود اور مخلوق کے درمیان جو روحانی رابطہ ہے اسے ختم کر دیتی ہے۔ کیونکہ یہ رابطہ قائم رکھنے کے لئے اللہ کا ذکر اور نماز ضروری ہے۔ لیکن شراب تمہیں خدا کی یاد اور نماز دونوں سے روک دیتی ہے۔ یصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ)۔

ذیلی قوانین یا ضابطے: جب بھی کوئی قانون نافذ ہوتا ہے تو اس کے عمل درآمد کے لئے ذیلی قواعد (Statutes) جاری کئے جاتے ہیں۔ حرمت شراب کا قانون جاری کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ذیلی قوانین کی ذمہ داری اپنے برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر رکھ دی اور اعلان فرما دیا گیا کہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واحذروا (اللہ اور اس کے رسول کی بات مانو اور باز آجاؤ (شراب اور جوئے وغیرہ سے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمت شراب کے متعلق جو احکامات نافذ فرمائے وہ حسب ذیل حدیث سے منضبط ہوتے ہیں:۔

لعن اللہ الخمر وشاربہا وساقیہا (اللہ کی لعنت ہے شراب پر اور شراب پینے اور پلانے والے پر)
" وبایعہا (اور شراب خریدنے والے پر)
" ومتباعہا (اور شراب کشید کرنے والے پر)
" وعاصرہا (اور شراب کشید کروانے والے پر)
" وحاملہا (اور شراب ڈھو کر لے جانے والے پر)

حضرت ابوامامہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے رب نے قسم کھا کر فرمایا ہے، "قسم ہے اپنی عزت کی کہ جو بندہ ایک گھونٹ شراب کا پئے گا میں اتنا ہی اس کو لہو پلاؤں گا اور بندہ میرے خوف سے شراب چھوڑ دے گا میں اس کو قدس کے حوضوں سے (شربت) پلاؤں گا۔

نہ ایشیا میں نہ یورپ میں سوز و سازِ حیات
خودی کی موت ہے یہ اور وہ ضمیر کی موت
دلوں میں ولولۂ انقلاب ہے پیدا
قریب آگئی شاید جہان پیر کی موت
(اقبالؒ)

Phone:- 22948
29747
Regd No. LW/NP 56
TAMEER-E-HAYAT
Fortnightly
(NADWATUL-ULAMA LUCKNOW-226007 (INDIA)

ایک اہم اپیل — برائے — دارالعلوم ندوۃ العلماء (لکھنؤ)

دارالعلوم ندوۃ العلماء عالم اسلام کا مشہور دینی و علمی مرکز ہے جو پچاسی سال سے علم دین کی خدمت انجام دے رہا ہے، اور الحمدللہ کہ اسکے فضلاء ہندوستان اور بیرون ملک میں علمی و دینی خدمات انجام دے رہے ہیں یہ حقیقت نہایت قابل توجہ ہے کہ مسلمانوں کی ہر طرح کی فلاح و بہبود اس کے اس دین سے وابستہ ہے جس کو لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے۔

مسلمان جسقدر اس حقیقت کی طرف توجہ کریں گے اور جس قدر دینی کاموں میں دلچسپی اور بلند ہمتی سے حصہ لیں گے اسی قدر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انکی حفاظت و کامیابی کا فیصلہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا)۔

ہندوستان کے موجودہ حالات میں ایسے دینی و علمی اداروں کا استحکام نہایت ضروری ہے، جو اسلام کی اشاعت و حفاظت اور مسلمانوں میں علوم دین کی اشاعت کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔ الحمدللہ کارکنان دارالعلوم ندوۃ العلماء بھی اسی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ اخلاص اور قبولیت سے نوازیں۔

اس وقت دارالعلوم میں ہندوستان کے دور دراز علاقوں کے علاوہ جنوبی افریقہ، شمالی افریقہ، ملیشیا، نیپال وغیرہ کے طلباء بھی زیر تعلیم ہیں۔ طلباء کی مجموعی تعداد مع ابتدائی درجات و مکاتب شہر (۱۳۰۰) ہے اس سال غیر مستطیع طلبہ کو تقریباً ڈھائی لاکھ روپیہ کے وظائف دیے گئے، حضرات مدرسین و اسٹاف کی مجموعی تعداد ۸۴ ہے۔

اس وقت ندوۃ العلماء کے سالانہ مصارف مع تعمیرات تقریباً دس لاکھ روپئے ہیں ادھر کئی سال سے جگہ کی قلت کی وجہ سے طلباء کیلئے مناسب اقامتگاہوں کی فوری ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر ایک جدید دارالاقامہ اور اس سے متعلق ضروری عمارتوں کی تعمیر کا کام شروع کر دیا گیا۔ دارالاقامہ کے ایک کمرے پر دس ہزار روپئے صرف کا تخمینہ ہے۔ اجتماعی بڑے کام بغیر تعاون کے انجام نہیں پاتے۔ ہمارے مسلمان بھائیوں کو اس اہم کام میں فیاضی اور حوصلے سے توجہ کی ضرورت ہے۔ خصوصاً رمضان المبارک صحیح روایات کے مطابق ہر عمل کا ثواب ستر گنا ملتا ہے۔ علم دین اور طالبان علم دین پر جو مسلمانوں کی پاک کمائی خرچ ہوگی انشاءاللہ وہ آخرت میں اجر عظیم اور دنیا میں خیر و برکت کی باعث ہوگی۔ ہم تمام مسلمانوں اور خصوصاً اہل استطاعت سے گذارش کرتے ہیں کہ حسب حیثیت فراخدلی سے دارالعلوم کی مدد فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

رمضان المبارک اور اس کے علاوہ مختلف اوقات میں بعض حضرات اساتذہ اور سفراء دارالعلوم کے سلسلہ میں مختلف علاقوں میں تشریف لے جاتے ہیں۔ مقامی طور پر اگر دردمند اہل خیر حضرات دلچسپی سے تعاون فرمائیں تو انشاءاللہ دارالعلوم کی اعانت کا بڑا کام ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے دین کی حمایت و نصرت کی دولت سے نوازے۔ آمین

(مولانا) ابوالحسن علی ندوی
(ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

(مولانا) عبدالسلام قدوائی ندوی
(معتمد تعلیمات دارالعلوم ندوۃ العلماء)

(مولانا) محمد معین اللہ ندوی
(نائب ناظم ندوۃ العلماء)

سید مصباح الدین نقوی
(معتمد مالیات ندوۃ العلماء)